ہماری ویب ڈیجیٹل بک

شاہد اقبال شامی

SHAHID IQBAL SHAMI

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

HAMARI WEB .com

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Shahid Iqbal Shami"
at Hamariweb.com

کشمیر معاہدوں کی نذر

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جنت اور اس میں موجود انعامات کو سمجھانے کے لئے اللہ تعالی نے اس دنیا میں کچھ ایسی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں جنہیں دیکھ کر، سن کر، سونگھ کر اور چکھ کر جنت اور اس میں موجود نعمتوں کا تھوڑا بہت ادراک اور کچھ نہ کچھ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کشمیر بھی اللہ تعالی کی ان ہی نعمتوں میں سے ایک ہے جسے دیکھ کر بعض لوگ کہتے ہیں کہ کشمیر تو جنت کا ایک ٹکڑا ہے جو زمیں پر آ گرا ہے۔ کشمیر پاکستان کے شمال مشرق میں اور افغانستان و تاجکستان کے مشرق، چین کے جنوب میں اور ہندوستان کے مغرب میں کوہ ہمالیہ میں پڑی ہوئی خوبصورت اور سرسبز وادی کا نام ہے، کشمیر کا کل رقبہ 217935 کلومیٹر ہے اور اس کی آبادی 1 کروڑ سے کچھ اوپر ہے جس میں 92 فیصد مسلمان آباد ہیں اور باقی آبادی ہندو، سکھ اور بدھ مت پر مشتمل ہیں، کشمیر کا کچھ حصہّ چین کے پاس، کچھ حصّہ آزاد ہے جسے آزاد کشمیر کہا جاتا ہے اور اس کا کچھ حصّہ بھارت کے پاس بھی ہے جس پر بھارت نے ناجائز طور پر قبضہ کیا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے پوری دنیا گھمبیر مسائل کا شکار ہے اور اس ہی خطّہ کے لئے پاکستان اور بھارت کے درمیان 3 جنگیں بھی ہو چکی ہیں اور اب بھی ہر وقت جنگ کا خطرہ موجود رہتا ہے آزاد کشمیر کا دارالخلافہ مظفر آباد اور مقبوضہ علاقے کا دارالحکومت

گرمیوں میں سری نگر اور سردیوں میں جمّوں ہوتا ہے۔

جون 1947ء کے فارمولے کا اعلان ہوتے ہی مہاتما گاندھی اور کانگریس کے صدر 2 مسٹر جے بی کرپلانی فوراً کشمیر پہنچے اور مہاراجہ ہرن سنگھ کے ساتھ ساز باز کرکے اپنی سازشوں میں شامل کر لیا۔ 16 اگست 1947ء کو تقسیم ہند کے بارے میں جب ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان ہوا تو ضلع گورداس پور کی آبادی میں واضح مسلمان اکثریت کے باوجود شرانگیزی و مسلم دشمنی کی وجہ سے بھارت کے حوالے کر دیا گیا، کیونکہ گورداس پور پر قبضہ کے بغیر کشمیر پر غاصبانہ قبضہ ممکن ہی نہیں تھا۔

بھارتی افواج کشمیر میں 27 اکتوبر 1947ء کی صبح کو داخل ہوئیں پاکستان کے جی ایچ کیو کو ایک رات پہلے ہی ان کے ارادوں کا پتّہ چل چکا تھا اور جب قائد اعظم نے بری فوج کے قائم مقام کمانڈر انچیف جنرل سرڈگلس گریسی کو حکم دیا کہ پاکستانی افواج کو بلا تاخیر کشمیر میں بھیج دو تو جنرل گریسی نے اس حکم کی تعمیل کے بجائے نئی دہلی میں موجود فیلڈ مارشل سر کلاڈ وگنیگٹ کو مطلع کیا جو اس پیغام کے ملتے ہی اگلے روز لاہور آ کر دھمکی آمیز رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا، کہ اگر ایسا کیا گیا تو پاکستان کی فوج میں موجود تمام برطانوی افسروں کو واپس بھیج دیا جائے گا جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ

پاکستان کی ساری افواج غیر منظم ہو جائے گی۔ 1965ء تک سلامتی کونسل میں کشمیر کا مسئلہ 133 بار آ چکا تھا، کبھی بھارت کہنے پر اور کبھی پاکستان کی درخواست پر، سلامتی کونسل کے ڈاکٹر فرینک پی گراہم نے 1951ء اور 1958ء کے درمیان سلامتی کونسل کو 6 مختلف فارمولوں والی رپورٹیں پیش کیں، جن میں موجود ہر فارمولے کو پاکستان نے مانا اور اس کے برعکس بھارت نے ہر دفعہ نامنظور کیا۔

پچھلے 22 سال سے کشمیری اپنے حق خودارادیت کے لئے مزاحمت اور مسلح تحریک کے لئے کوششیں کر رہے ہیں، حق خودارادیت کی اس تحریک کو کچلنے کے لئے بھارت ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہے اور بے انتہا سفاکی و سربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ جنوری 1989ء سے 10 دسمبر 2008ء تک 6469 کشمیریوں کو دوران حراست شہید کیا گیا، خواتین کی بے حرمتی کی گئی جبکہ 105670 مکانات اور دوکانوں کو تباہ و برباد 9874 کر دیا گیا، 22685 خواتین بیوہ جبکہ 10728 بچے یتیم ہو چکے ہیں ہزاروں کشمیری لاپتہ اور سینکڑوں تا حال گرفتار ہیں۔ بھارت جب بھی بین الاقوامی یا اندرونی دباؤ کا شکار ہوتا ہے تو وہ پاکستان کو مذاکرات کے جال میں الجھا لیتا ہے اور جونہی اس پر دباؤ ختم ہوتا ہے تو بھارت ان مذاکرات اور اس کے تمام نتائج سے منہ پھیر لیتا ہے۔ مسئلہ کشمیر اب تک صرف معاہدوں کی نذر ہی رہا ہے 1966ء میں معاہدہ تاشقند ہوا اور پھر 6 برس بعد معاہدہ شملہ ہوا یکم جنوری 1949ء سے اب تک مسئلہ کشمیر یو این او کی قدیم دستاویزوں

کے محافظ خانوں میں سال ہا سال سے جمع ہو کر مقفل ہو جاتا ہے۔ ہر سال پوری دنیا میں کشمیری 5فروی کو یوم کشمیر کے طور پر مناتے ہیں، پوری دنیا میں کہیں بھی کسی بھی فورم پر مسئلہ کشمیر کا ذکر ہوتا تو بھارت اس کو اپنی انا کا مسئلہ بنالیتا ہے اور اس کو پاکستان کی سرحدوں پر جنگ کے بادل منڈلاتے ہوئے نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں اب تو کشمیر کا نام بھی اگر لیا جائے تو بھارت اس کو اپنی توہین سمجھتا ہے اور اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت سے تشبیہ دیتا ہے۔

عزیمت کے راہی

22فروری جمعرات کے دن سن 1990ء کو جھنگ کی سرزمین میں 38 سال کے ایک جوان عالم دین کو بڑی بے دردی سے شہید کیا گیا، گھر کی دہلیز پر جب اس کا لاشہ تڑپ رہا تھا تو لہو کی ہر ایک بوند سے یہی صدا بلند ہو رہی تھی !

سادہ سا ہے اپنا اصول دوستی کوثر
جو صحابہؓ سے ہو بیگانہ ہمارا ہو نہیں سکتا

وہ عالم دین جسے حضرت بلال حبشیؓ کی طرح گلیوں میں گھسیٹا گیا، جسے حضرت خبابؓ اور حضرت حذافہ سہمیؓ کی طرح ستایا گیا، جسے حضرت عثمانؓ کی طرح اپنے اہل وعیال کے سامنے ذبح کیا گیا اور اس جوان نے اپنی قربانی پیش کرنے کے بعد اپنے خون کے قطروں سے یہی پیغام دیا، کہ

حق بات کہو پھر ڈٹ جاؤ چاہے گردن بھی کٹ جائے
خون بہے دشمن بھی کہے کردار صحابہؓ زندہ ہے

اس جوان عالم دین سے جب پوچھا گیا کہ حضرت اتنی کم عمری ہی میں بالوں میں سفیدی کیسے آ گئی؟تو جواب ملتا ہے کہ "یہ بات حقیقت ہے کہ دو دریاؤں کے

حسین امتزاج کے درمیان، دیہاتی ماحول میں تندرستی کی حالت میں پروان چڑھا ہوں، لیکن امی عائشہ صدیقہؓ کی خاطر اس ملک عزیز کے اندر جسے لاالہ الااللہ کی بنیاد پر حاصل کیا گیا، اصحابؓ رسول کا دفاع کرتے ہوئے اپنے کمزور اور ناتواں جسم کے اوپر اتنے مظالم سہے ہیں کہ ظلم و تشدد برداشت کرتے کرتے میری داڑھی کے اندر سفیدی آچکی ہے۔" وہ جوان عالم دین جو مجذوبانہ انداز میں جب اپنی اور تمام مسلمانوں کی ماں سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کو بے اختیار لہجے میں امی امی پکارتا تھا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کائنات کی ہر چیز اس ہی امی کا نام بلند کر رہی ہے۔

آج اس کے دنیا سے جانے کے اتنے سالوں کے بعد بھی بہت سارے سوالات ایسے ہیں جو لوگوں کے ذہن میں گردش کر رہے ہیں کہ آخر اس عالم دین کو ایسی کون سی ضرورت پیش تھی کہ مصلحت پوشی کے اس دور میں جب ہر کوئی اپنا اپنا پیٹ پالنے اور پیسہ اکٹھا کرنے کی فکر میں تھا تو اس نے وقت کے ایک انٹرنیشنل فتنے کے ساتھ بے سروسامانی کے ساتھ ٹکر کیوں لی؟ اس کو ایسی کون سی مجبوری تھی جب ہر کوئی اپنی آواز کو بیچ رہا تھا تو اس نے زمانے سے ہٹ کر اپنی خطابت کو کاروبار بنانے کے بجائے اپنا دین کیوں سمجھا؟ اس پر ایسی کیا افتاد ٹوٹ پڑی تھی کہ جب ہر خوش الحان عالم دین کے پاس کار، کوٹھی اور بہت سی جائیداد تھی تو اس نے اپنے بچوں کے لئے بھی اپنا ذاتی مکان نہ بنایا؟ کیوں؟ اس کو ایسی

کیا پریشانی اور فکر تھی کہ جس نے چودہ سو سال کے علماء کرام کے فتاویٰ جات جو کل تک مساجد اور حجروں میں بیان ہوتے تھے اور جو صرف اپنے قریبی و معتمد ساتھیوں ہی کو بتائے جاتے تھے یا کتابوں میں درج کئے جاتے تھے، اس نے ان فتاویٰ جات کو گلی چوکوں اور چوراہوں میں ببانگ دہل بیان کر دیا، اس تمام کام کا اس کو انجام بھی پتا تھا، لیکن پھر بھی اس نے اپنے آپ کو دوسرے کی طرح چھپا کر نہ رکھا، اس نے جب اسلام کے خوبصورت لبادے میں لپٹے ہوئے بین الاقوامی کفر کو ساری دنیا کے سامنے آشکارا کیا اور دین اسلام کے حقیقی ہیرو صحابہؓ کرام کی ذات کو لوگوں کے سامنے متعارف کرایا تو اس کی شرم گاہ کے اندر مرچیں ڈالی گئیں، جب اس عالم دین نے صحابہؓ کا دفاع کیا تو اسے اپنے ہی گھر کی دہلیز پر ذبح کر دیا گیا۔

اس عالم دین کے اندر اک فکر، اک کڑھن تھی کہ پاکستان کی سرزمین کے اوپر اسلام کے غلبہ کے لئے، پاکستان کی سرزمین پر نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملہ نفاذ، اسلام کے عادلانہ نظام کو قائم کرنے کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ کو جب تک دور نہ کر دیا جائے، تب تک خلفائے راشدینؓ کا نظام نافذ نہیں ہو سکتا۔ وہ رکاوٹ کون سی تھی۔ جس کے لئے اس نے سارے زمانے سے بغاوت کی اور اپنے آپ کو اپنے گھر اور اپنے چاہنے والوں کو مصیبت میں ڈالا؟ وہ رکاوٹ ایک ہی تھی کہ جب کوئی یہ بات کرتا کہ پاکستان میں وہ نظام صدیق اکبر نافذ کیا

جائے جس کے لئے ہمارے آباؤ اجداد نے قربانیاں دی، تو سامنے سے ایک ٹولہ، ایک گروہ، ایک فرقہ اس بات کے اوپر اپنے آپ کو تیار کرتا، اصرار کرتا کہ کس صدیقؓ کی بات کرتے ہوتے ہو (نعوذ باللہ) جو غاصب تھا، جب بات کی جاتی کہ

کہہ رہا ہے ٹوٹا پھوٹا نظام زندگی
صدیقؓ تیرا طرز حکومت عظیم ہے

جب کہا جاتا کہ صدیق اکبرؓ کے اس نظام حکومت کو نافذ کیا جائے تو سامنے سے ایک گروہ، بیوروکریسی، وقت کے نام نہاد دانشور، اخبار کے ایڈیٹر اور کتابوں کے مصنف اس بات کو بیانگ دہل کہنا شروع کر دیتے کہ تم اس صدیق اکبرؓ کے بارے میں بات کرتے ہو، اس فاروق اعظمؓ کے نظام عدالت کے بارے میں بات کرتے ہو جسے اسلام کی ایک نام لیوا حکومت سرکاری طور پر لکھ چکی ہے کہ فاروق اعظمؓ (نعوذ باللہ) مسلمان نہ تھا، تم کس عثمان غنیؓ کی بات کرتے ہو (نعوذ باللہ) جس نے پیغمبر اسلام کی شریعت کو تبدیل کر دیا تھا، تو اس عالم دین نے مخلصانہ طور پر اس بات کا اظہار کیا کہ جب تک صحابہ کرامؓ کے گستاخ و منکر، صحابہؓ کے محب، نور اور ظلمت، کفر اور اسلام کے درمیان تمیز نہ کر دی جائے، جب تک لوگوں کے سامنے اس بات کو بیان نہ کر دیا جائے کہ قرآن کا ماننے والا کون ہے اور قرآن کو جلانے والا کون ہے؟، صحابہؓ کا محب کون ہے اور منکر کون ہے؟، جب تک یہ واضح نہ کر دیا جائے کہ اصلی کلمہ اسلام کے ماننے

والے کون ہے اور جعلی کلمہ پڑھنے والے کون ہیں؟جب تک یہ تفریق نہ کر دی جائے کہ ! حقیقی بیت اللہ کے پاسدار کون ہیں اور بیت اللہ کے اندر جا کر دھینگا مشتی اور تخریب کاری کرنے والے کون ہیں؟تب تک پاکستان کی سرزمین پر اسلام کا نظام نافذ نہیں ہو سکتا اور وہ عالم دین یہی بات قرآن سنت اور دلائل کی روشنی میں کرتا رہا، بالآخر باطل نے دلائل نہ ہونے کی وجہ سے گولی کا سہارا لیا اور جھنگ کی سرزمین پر اس جوان عالم دین کو ابدی نیند سلا دیا اور سمجھنے لگا کہ اب اس کے راستہ کی رکاوٹ کوئی نہ رہی لیکن اس کا دشمن یہ بھول بیٹھا کہ اس نے مال و جائیداد تو نہ بنائی لیکن اپنے پیچھے ایک ایسی قوم تیار کر گیا کہ اس کے ذہن میں گولی، ہتھکڑی اور جیل کا کوئی خوف نہیں، اس کے روحانی فرزند اس کے مشن کو لے کر پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں اور عنقریب اس کے خواب کو عملی جامہ پہنا دے گے۔ (انشاءاللہ)

ہائے ری جمہوریت

"جمہوریت بہترین انتقام ہے"۔"بدترین جمہوریت بہترین آمریت سے بہتر ہے"۔"حقیقی جمہوریت آزمائش ہے"۔"جمہوریت یہ نہیں کہ میں سب سے بہتر ہوں، بلکہ یہ ہے کہ تم سب بھی اسی قدر بہتر ہو، جتنا کہ میں"۔"لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کا نام جمہوریت ہے"۔" باخبر، باعمل اور باعلم لوگ جمہوریت کے سوا کسی طرز حکومت کو نہیں مانتے"۔اور" جمہوریت ہی وہ واحد عمل ہے، جس کے ذریعے زمانے بھر کا معتوب شخص بھی مسند اقتدار پر فائز ہو سکتا ہے"۔یہ وہ الفاظ ہیں جو ہمارے ہاں اکثر سننے میں آتے ہیں، ہر شخص کے پاس اپنی علیحدہ جمہوریت کی تشریح ہے، موجودہ حکومت کے خلاف جو بھی بات کی جائے چاہے حق، سچ ہی کیوں نا ہو وہ جمہوریت کے منافی تصور کی جاتی ہے۔بہرحال جتنے منہ اتنی باتیں، جتنی ضرورتیں اتنی دلیلیں، یہ جتنی بھی باتیں ہیں صرف الفاظ کا گھورکھ دہندہ ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔

علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا،آیا کہ وہ کیسا ملک چاہتے تھے؟ان کے نزدیک اس علیحدہ ملک میں کیسا نظام تھا؟ان کے کلام سے بات بڑی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ جمہوریت سے کتنے خائف تھے؟ان کے چند اشعار جن میں انہوں نے جمہوریت کی پرزور مذمت کی۔ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری
جمہوریت میں سب سے بڑی خامی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ
جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے
اس شعر کی عملی تفسیر ہمارے ملک میں خوب دیکھی جا سکتی ہے، کہ ایک آدمی اگر چل نہیں سکتا، دیکھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے، سوچ سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے اس کو بھی دو آدمی سہارا دے کر اس سے ووٹ پول کراتے ہیں، پاکستان میں دین کو سیاست سے جدا کر دیا گیا ہے، اس ہی نظام کی وجہ سے پاکستان ترقی نہیں کر پا رہا، اس بارے میں علامہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ
جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی
جمہوریت، سیکولر ازم یعنی بے دینی کا دعویٰ کرتی ہے، جبکہ پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اس میں سیکولر ازم کی کوئی جگہ نہیں، جمہوریت میں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں ہر شخص کو فیصلہ (ووٹ) دینے کا حق حاصل ہوتا ہے، جبکہ ہر شخص

صاحب الرائے اور صائب الرائے نہیں ہوتا، عوام کی اکثریت ان پڑھ ہے اور وہ محض اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ووٹ دیتے ہیں ان میں نہ تو قومی معاملات اور مسائل کو سمجھنے کا شعور ہوتا ہے اور نہ ہی وہ امیدواروں کی سیرت و کردار کو سامنے رکھ کر ووٹ دیتے ہیں، اس طرح نااہل، مفاد پرست، جرائم پیشہ اور بداطوار و بے دین قسم کے لوگ حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں جمہوری حکومت میں بس جس کے حامیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے، وہی کامیاب ٹھہرتا ہے خواہ وہ کاروبار حکومت کو سمجھنے کا اہل ہو یا نہ ہو، خواہ وہ دینی و عوامی معاملات کے بجائے ذاتی مفادات کو ترجیح دینے والا ہو۔

یہ جمہوریت کی کرسی ہی کی مہربانی ہے کہ زرداری صاحب پاکستان کے دوسرے نمبر پر اور جناب نواز شریف صاحب تیسرے نمبر پر امیر ترین فرد ہیں اور جعلی ڈگریاں رکھنے والے عدالت سے نااہل قرار دلوائے جانے کے باوجود مسند اقتدار پر جلوہ افروز ہیں۔

جمہوری سسٹم میں لیڈر ایک جیسے ہوتے ہیں اور ہمیں ہر بار ایسے لیڈروں کا ہی چناؤ کرنا پڑتا ہے جو پہلے ہی عوام کے مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہو چکے ہوتے ہیں، کئی لیڈروں نے ماضی میں بھی کوئی ایسا کارنامہ سرانجام نہیں دیا ہوتا جو قابل ستائش ہو۔ جمہوری نظام میں لادینیت اور اقتدار کی ہوس ضمیر کو

مردہ کر دیتی ہے اس لئے ہر لیڈر بے دھڑک جھوٹ بولتا ہے اور بے قصور بھی ٹھہرتا ہے، جمہوری نظام میں کتنے لوگ خوشی سے کرسی چھوڑتے ہیں ! ؟ کتنے ہیں جو ووٹ کے حصول کے لئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال نہیں کرتے ؟ اچھے اخلاق صرف ووٹ حاصل کرنے کے لئے ہوتے ہیں ! ووٹ لینے کے بعد ایسے اپنے حلقہ انتخاب سے غائب ہوتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگھ اور پھر اگلے الیکشن کے زمانہ ہی میں اپنے ووٹرز کو منہ دیکھاتے ہیں۔

ہر الیکشن میں ننانوے فیصد امیدوار بار بار کامیاب ہوتے ہیں اور ایسا ابتدا ہی سے ہو رہا ہے، اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ایک دفعہ ممبر بن جانے کے بعد ممبر اپنے حلقہ انتخاب میں ہر دل عزیز ہونے کے لئے لاکھ جتن کرتا ہے اور انوکھی انوکھی ترکیبیں استعمال کرتا ہے اور میڈیا کے ذریعے اپنے ووٹرز کو ایسا تاثر دیتا ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے صرف اور صرف ان کی خدمت کے لئے کوشاں ہے، پاکستان کے تمام سیاست دان امیر ترین لوگ ہیں ان میں کوئی بھی غریب نہیں ! تمام کے تمام بڑی بڑی جائیدادوں وجاگیروں اور صنعتوں کے مالک ہیں، کسی بھی پارٹی کے اندر جمہوریت ہے اور نہ ہی پارٹی کے اندر الیکشن ہوتے ہیں، پارٹی ایک ہی خاندان کی وراثت ہوتی ہے، ہر الیکشن میں پارٹی کا نعرہ بدل جاتا ہے اور حکومت بنانے کے لئے اتحاد بھی۔

اس قسم کی جمہوریت ملوکیت ہی کی ایک قسم ہوتی ہے اور ملوکیت ہی کو تقویت دیتی پہنچاتی ہے، جمہوری حکومت میں کامیاب پارٹی برسر اقتدار آ کر اپنی من مانی کرتی ہے اور پارٹی میں روساء وامراء شامل ہوتے ہیں اس لئے وہ صرف اور صرف سرمایہ دار طبقہ ہی کے مفاد میں قانون سازی کرتے ہیں عوام کے مفاد کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے جب ملوکیت اور جمہوریت میں صرف تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے۔ ملوکیت میں اقتدار صرف ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جبکہ جمہوریت میں اقتدار ایک پارٹی ایک جماعت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اکثر اوقات برسر اقتدار پارٹی کی حکومت استبدادی حکومت بن جاتی ہے۔

ایران، افکار و عزائم

"بد قسمتی سے آج پاکستان دشمنوں میں گھرا ہوا ہے، مشرق میں ہندوستان ہمارا ابدی دشمن ہے اور ہمارے پاکستانی تشخص کو ختم کرنے کے درپے ہے، مغرب میں منافق ایران ہے اوراس کا سب کو علم ہے کہ منافق کھلے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔افغانستان بھی ہماری کمزوری اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے ہم سے بد ظن ہوتا جارہا ہے۔دریں صورت ہمیں ان حقائق سے آگاہ ہونے اور خبردار ہونے کی جتنی اب ضرورت ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی"۔یہ الفاظ ہیں نذیر احمد کے جو ایران میں سفارت پاکستان کے کلچرل اٹیچی آفس کے رکن رہیں اور ایران میں اپنی زندگی کے 13 سال گزارے،اس کے علاوہ ان کو قائد اعظم محمد علی جناح سے کئی دفعہ ہاتھ ملانے کا شرف بھی حاصل ہے اور تحریک پاکستان کے انتہائی سرگرم کارکن بھی رہے۔انہوں نے ایران میں گزرے ہوئے اپنی زندگی کے شب وروز کے تجربات کو قلم بند کیا ہے،ان کی کتاب "ایران' افکار و عزائم" میں بڑی ہی کارآمد باتوں کا پتہ ملتا ہے،انہوں اپنے تجربات کو بڑی محنت کے ساتھ قلم بند کیا ہے،ان کی کتاب تاریخ کے طالبعلموں کے لئے انتہائی کارآمد ثابت ہو سکتی، میرا اس کتاب پر تبصرہ کرنا مقصود ہر گز نہیں بلکہ میں تو پاکستان اور ایران کی موجودہ صورت حال پر نظر ڈالنا چاہتا ہو۔

پاکستان جب سے معرض وجود میں آیا ہے' اس وقت سے لے کر آج تک دشمن اس کو مٹانے کے لئے اپنی سر دھڑ کی بازی لگا رہا ہے، دشمن کوئی بھی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتا جس سے اس کو جغرافیائی یا نظریاتی سرحدوں کو نقصان پہنچانے کا ملے۔امریکا ہو یا بھارت ہر وقت اس کوشش میں ہوتے ہیں کی پاکستان کی سالمیت کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکے،ان کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن یہ بات میری کمزور سی سمجھ میں آنے سے باہر ہے کہ ایران کیوں پاکستان کو نقصان پہنچانے پہ تلا ہوا ہے،اور کچھ عرصہ پہلے ایرانیوں نے پاکستان کے سفارت خانے کو آگ لگا دی اور پاکستانی پرچم بھی نظر آتش کر دیا حالانکہ بڑے بڑے دشمنوں کو ایسا گھناؤنا کام کرنے کی جرئات نہیں ہوئی اوراب بھارت و امریکا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایرانی سفیر ماشاءاللہ شاکری نے پاکستان پر یہ الزام اکثر تھوپتے رہتے ہیں، کہ دہشت گرد ایران کو غیر مستحکم کرنے کے لئے ایران پر حملے کرتے ہیں اور اس کے لئے پاکستان کی سرزمین کو استعمال کر رہے ہیں' پاکستان کو چاہیے کہ ان دہشت گردوں کو ایران میں داخل ہونے سے روکے اور ایران پر حملے کرنے والے دہشت گردوں کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دے،یہ محترم سفیر صاحب ! اکثر ایک متشدد،فرقہ واریت میں ملوث اور کالعدم تنظیم کے ہاں بطور مہمان خصوصی شرکت فرماتے رہتے ہیں،جو کہ کسی بھی ملک کے سفیر کو زیبا نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی ملک اس قسم کی ہرکت کو

برداشت کرتا ہے۔ ایران کا یہ لب و لہجہ پاکستانی حکومت اور پاکستان عوام بلکہ باقی دنیا کی سمجھ سے بھی باہر ہے۔اس سے پہلے بھارت ہر واقعہ کو پاکستان کے سر تھوپ دیتا تھا، اور اب ایران بھی بھارت وامریکا کے نقش قدم پر چلنا شروع ہوگیا ہے، بعض دفاعی ماہرین اور تجزیہ نگاروں کے مطابق ایران کا لہجہ اس وقت کے بعد بدلا ہے،جب سے نئے امریکا کے صدر بارک اوبامانے یہ کہنا شروع کیا ہے کہ ہم ایران کے ساتھ تمام مسائل طاقت کے زور سے نہیں بلکہ بات چیت سے حل کرنے کے خواہ ہیں۔

ایران کے ہاں سنی مسلمانوں کی حالت انتہائی تشویش ناک ہے،ان کو کسی قسم کی مذہبی آزادی نہیں ہے ،مذہبی تو دور کی بات ان کو بنیادی حقوق تک ڈھنگ سے میسر نہیں، کوئی سنی 14 سکیل سے اوپر ملازمت کا حقدار نہیں چاہے اس کے پاس دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ یونیورسٹی کی ڈگری ہی کیوں نہ ہو۔جو بھی اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھاتا ہے اس کو سمگلر قرار کر سزائے موت کا حکم سنا دیا جاتا ہے۔اب ایران اپنی سرحدوں سے نکل کر سعودی عرب کے معاملات میں بھی ٹانگ اڑانا شروع کر دی ہے اور ان مقدس و مطہرات جگہوں پر فسادات کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے جو کمزور سے کمزور ایمان کے مسلمان کو بھی اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے،اس نے اس جگہ پر فسادات کے لئے سوچنا شروع کر دیا ہے، جس کے بارے یہود و ہنود تو کیا دجال بھی وہاں پر حملہ آور نہیں ہو سکتا۔ اب یہ

بات ان روشن خیال لوگوں کے ذہن میں بھی آ گئی ہے کہ امریکہ اور اس کے حواری ایران پار حملہ کیوں نہیں کرتے ؟ کیونکہ ایران ہی وہ واحد ملک ہے جو اسلامی لبادے میں لپٹے ہوئے حرمین شریفین پر نہ صرف حملے کی منصوبہ بندے کر رہا ہے بلکہ اس کو نعوذ باللہ مٹانے کی کوششوں میں بھی ہے ! لیکن وہ اپنے ناپاک عزائم میں کبھی کامے اب نہیں ہوگا۔ کیونکہ صرف پاکستان کا ہی نہیں بلکہ پورے مسلم دنیا کا بچہ بچہ اپنے خون کے آخری قطرے تک مقدس مقامات کی حفاظت کرے گا۔

ایران ہمیشہ سے پاکستان کے دوست کے طور پر پوری دنیا میں پہچانا جاتا ہے، پاکستان نے بھی ہر موقع پر ایران کی ہر قسم کی مدد کی ہے، چاہے وہ اخلاقی ہو یا مالی صرف یہی نہیں بلکہ پاکستان نے ہر محاذ پر، ہر ملک میں ایران کی سفارتی جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر انتہائی خوبصورتی سے لڑا ہے بلکہ پاکستان ہر مشکل وقت میں ایران کے کام آیا ہے اور اس کے ہر دکھ یں ہر اسر کا شریک رہا ہے، پاکستانی حکومت کے علاوہ پاکستانی عوام بھی ایران کے ہر دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے ہیں۔اس طرح کے واقعات مثلاً سفارت خانے کو آگ لگانا و پرچم نظر آتش کرنا حرمین شریفین کے خلاف گھناؤنی منصوبہ بندی کرنا اور پاکستان کے خلاف بیان دینا ،اس طرح کی حرکتیں اور بیانات پاکستانی حکومت اور عوام میں مایوسی پھیلانے کا سبب بن رہے ہیں ،اس طرح کی تمام حرکتوں سے ایران کو گریز کرنا ،چاہیے ،پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا ہے

اس کی بنیادوں میں ماؤں، بہنوں اور پاکیزہ بیٹیوں کی عفت اور بچوں بوڑھوں اور نوجوانوں کا خون شامل ہے، اللہ نے اس کو قائم رہنے کے لئے بنایا ہے اور یہ انشاء اللہ یہ ہمیشہ قائم ودائم رہے گا اس کو مٹانے والے خود مٹ جائیں گے۔

! دوسروں کا خیال رکھئے گا

!ذرا سوچئے

ہم اس وقت داخلی اور خارجی ہر دو اعتبار سے مشکل ترین حالات سے دوچار ہیں۔ قوموں کی زندگیوں میں مشکل لمحات آیا ہی کرتے ہیں، لیکن وہی قومیں باقی رہتیں ہیں جو مشکل لمحات میں ثابت قدم رہتی ہیں اور وہ قوم جو مشکل حالات میں بھی اپنی کمزوریوں کو دیکھنے سمجھنے کے باوجود ان کا حل تلاش نہیں کرتی وہ مٹ جایا کرتی ہے۔ ہم بھی اس وقت ایک ایسی قوم کا روپ دھار چکے ہیں جس کا ظاہری طور پر انتہائی برا حال ہو چکا ہے، اگر ہمیں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنا ہے تو ہمیں اپنی کمزوریوں اور محرومیوں کا مستقل حل تلاش کرنا ہوگا اور اس کے بعد سختی کے ساتھ ان کا سد باب کرنا ہوگا، انفرادیاں کم اور اجتماعی غلطیاں قوموں کا زیادہ نقصان کرتی ہیں۔ آیئے آج مل کر سوچیں ! کہ ہمارے اندر ایسی کون کون سی خرابیاں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ہم جو کبھی قوموں کی صفوں میں اوج ثریا پر براجمان تھے آج ناکامیوں کی اندھی دلدل میں پڑے ہوئے ہیں، ہمیں اپنے تاریخی پس منظر میں اپنی برائیوں کو ڈھونڈنا ہوگا اور ان کا محاسبہ کرنا ہوگا۔

آج ہم طرح طرح کی انفرادی برائیوں میں تو مبتلا ہیں ہی لیکن بہت سی اجتماعی

برائیاں بھی ہم میں پائی جاتی ہیں،اجتماعی غلطیوں کی سزا بھی اجتماعیت کو ملتی ہے جو ہم کو مل بھی رہی ہے لیکن اب بھی وقت ہے کہ ہم اپنی اجتماعی غلطیوں پر قابو پالیں، ہمیں اپنی غلطیاں و برائیاں قرآن حدیث کی روشنی میں دیکھنی ہو گی اور ان کو حل بھی قرآن و حدیث کے مطابق کرنا ہو گا۔

ہماری اجتماعی گناہوں کا پتہ اور سزا اس حدیث شریف سے واضح ہو رہی ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ! 5 گناہوں کی سزا چیزیں ہیں 1۔جو قوم عہد شکنی کرتی ہے،اللہ تعالیٰ اس کے دشمن کو اس پر مسلط کر 5 دیتے ہیں 2۔جو اللہ کا حکم چھوڑ کر دوسرے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے ان میں افلاس ضرور پھیل جاتا ہے 3۔جس قوم میں بد حیائی وبدکاری عام ہو جائے اس پر اللہ طاعون اور دوسرے امراض مسلط کر دیتا ہے 4۔جو لوگ ناپ تول میں کمی کرنے لگیں اللہ ان کو قحط میں مبتلا کر دیتا ہے 5۔جو لوگ زکوہ ادا نہیں کرتے اللہ ان سے بارش روک لیتا ہے اور طبرانی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جس قوم میں سود عام ہو جاتا ہے اس میں موت کی کثرت ہو جاتی ہے،جو لوگ حق کے خلاف فیصلے کرتے ہیں ان میں) قتل و خون ریزی پھیل جاتی ہے) ماخوذ از درس تفسیر پارہ عم

اس حدیث شریف کے مفہوم سے ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمیں کیا کرنا ہے ہم

انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر عہد شکن ہو چکے ہیں ہم جو بھی وعدہ کرتے ہیں اسے ایفاء کرنے کہ ضرورت نہیں سمجھتے، کوئی کام بھی جس کے بارے میں دوسروں سے معاملہ کر لیتے ہیں اس کو پہلے تو پائیہ تکمیل تک پہچاتے نہیں یا پھر لیت و لال سے کام لیتے ہیں ہمارے انفرادی عہد کی طرح ہمارے اجتماعی عہد بھی صرف لفاظی ہوتے ہیں، ہمارے حکمران بھی کوئی وعدہ پورا نہیں کرتے بلکہ عہد کرکے پوری ڈھٹائی سے مکر جاتے ہیں اور بعض اوقات تو یہ تک کہہ دیتے ہیں کہ "یہ عہد تھوڑا ہی قرآن وحدیث تھا" جو ہم پر پورا کرنا فرض تھا اس لئے ہم پر مختلف قومیں حملہ آور ہیں، کوئی ڈرون حملے کرتی ہیں تو کوئی ثقافتی یلغار کئے ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمارے پاس واضح حکم قرآن حدیث کا ہونے کا باجود ہم دوسری قوموں کے قوانین کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، ان کے قوانین ہی کو ترقی کا ذریعہ سمجھے بیٹھے ہیں ہم تو یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ نعوذ باللہ "قرآن وحدیث" پرانی باتیں ہیں اگر ہم نے زمانے کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے تو انہیں چھوڑنا ہوگا، حالانکہ ہم دنیا سے پیچھے اس ہی وجہ سے رہ گئے ہیں کہ ہم نے اپنی اصل یعنی 'قرآن وحدیث'' کو چھوڑ دیا ہے اور اس وقت ہم ہر قسم کی بے حیائی اور بدکاری میں ملوث ہو چکے ہیں ہم سمجھ رہے ہیں کہ ہمارے پاس جدید ادویات نہیں ہیں، ہمارے ملک میں بہترین ڈاکٹر نہیں ہیں اس لئے ملک میں موذی امراض کا تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، یہ بات حقیقت نہیں ہے اس کی واحد وجہ بے حیائی اور بد کاری ہے اگر آج ہماری قوم بے حیائی اور

بدکاری سے مکمل توبہ کر لیں تو جدید ادویات اور تجربہ کار ڈاکٹروں کے بغیر بھی ان موذی امراض میں قابو پا لیں گے۔

ہمارا چوتھا اجتماعی گناہ ناپ تول میں کمی ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ناپ تول میں کمی کر کے ہم تو ذخیرہ اکٹھا کر رہے ہیں، اپنا مال بڑھا رہے ہیں، لیکن ایسا ہے نہیں ہم خود اور اپنی قوم کو قحط میں مبتلا کر رہے ہیں اگر ہم آج ہی سے ناپ تول کو ٹھیک کر لیں تو قحط کا نام و نشان تک نہیں رہے گا۔ اور رہا زکوہ کا سوال تو تو پہلے تو لوگ زکوہ ادا ہی نہیں کرتے جو چند دیتے بھی ہیں تو وہ مستحقین تک پہنچتی نہیں، جس کی وجہ سے اللہ ہم سے، ناراض ہے جس کی وجہ سے کبھی تو بارش ہوتی ہی نہیں اور کبھی اتنی شدت کے ساتھ ہوتی ہے جو ہمیں راحت پہنچانے کے بجائے ہماری تکلیف میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ آج ہماری ہر چیز کا انحصار سودی نظام سے چل رہا ہے چاہے چھوٹی سے چھوٹی چیز ہو یا بڑی سی بڑی، کوئی بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں، چھوٹا ہو یا بڑا، عوام ہوں یا حکمران کوئی بھی اس سے بچا ہوا نہیں، ہمیں سودی نظام سے جان چھوڑانی ہو گی اس کے بعد ہی ہم بہتر طور پر زندگی گزار پائیں گے اور ترقی کی منازل طے کر پائیں گے وگرنہ ہم ادھر ادھر سر پھٹکتے رہیں گے۔

ہمارے ملک میں ہر طرف بدامنی و خون ریزی ہے اس کی واحد وجہ حدیث شریف میں

یہی بتائی گئی ہے، کہ جہاں حق کے خلاف فیصلے ہوگے تو وہاں پر افراتفری، قتل وغارت پھیلی گی، ہماری عدالتوں میں عدل وانصاف کے پیمانے مختلف ہیں کسی حق دار کو پہلے تو حق ملتا ہی نہیں اگر ملتا بھی ہے تو اس وقت جب وہ اپنی تمام جمع پونجی دولت لوٹا اور اپنی عمر بیتا چکا ہوتا ہے، ہماری عدالتوں میں سال ہا سال سے چھوٹی سی نوعیت کے مقدمے سال ہا سال تک زیر بحث رہتے ہیں جن کا فیصلہ ایک آدھ پیشی پر بھی ہو سکتا ہے لیکن ان کو سالوں لٹکایا جاتا ہے۔بڑی نوعیت کے فیصلے تو اس کے حق میں ہوتے ہیں جو زیادہ طاقتور زیادہ پیسے اور زیادہ اثر ورسوخ والا ہوتا ہے۔اگر واقعی ہمیں ترقی کی منازل طے کرنی ہے اور اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنا ہے تو اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی سے ان غلطیوں سے توبہ کرکے ان سے مکمل طور پر کنارہ کشی کرنی ہو گی پھر جا کر ہم کامیاب ہوگے وگرنہ دنیا میں بھی ذلیل وخوار رہیں گے اور آخرت میں بھی۔

چپڑاسی

شاعر نے کیا خوب کہا تھا''میں تھرڈ ڈویژن ہو مجھے مار ڈالئے' میری ڈگری کا اچار ڈالئے''شاعر کو تو تھرڈڈویژن طلبہ کے دکھ کا اندازہ تھا،ایک کلاس فور جس کو عرف عام میں چپڑاسی کہا جاتا ہے،شاید اس کے دکھوں کا کوئی اندازہ نہ تھا اگر ہوتا تو ایسی شاعری نہ کرتا بلکہ اپنا سر پیٹ لیتا،یہ عہدہ تو تھرڈ ڈویژن سے بھی ایک ڈگری نیچے ہوتا ہے یعنی''کلاس فور''اگر سرکاری اداروں سے کلاس فوراور کلرک کو نکال دیا جائے تو چند دن کے اندر ملک کا تیہ پانچہ ہو جائے،جتنا زیادہ کام چپڑاسی کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ اس کی بے عزتی ہوتی ہے اور تنخواہ نہ ہونے کے برابر،سب سے پہلے ڈیوٹی پر پہنچنا اور چھٹی سب سے آخر میں،کام صحیح کرے تو تعریف،شاباش سربراہ ادارہ کی اگر کہیں تھوڑی سی کمی رہے جائے تو بے عزتی اس بے چارے کی مفت میں۔تمام دن کولہوں کے بیل کی طرح۔۔۔۔نتیجہ میں وہی جو بیل کھی آنکھوں سے پٹی کھلنے کے بعد وہ وہی کا وہی ہوتا ہے،ایسا ہی اس کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ تمام دن تم نے کیا ہی کیا ہے!

سکول کے چپڑاسی کی حالت تو اور بھی پتلی ہوتی ہے،چپڑاسیوں میں بھی کئی عہدے ہیں،مثلا نائب قاصد،چوکیدار،ڈرائیور،مالی،لیب اٹینڈنٹ اور ایک عہدہ کلاس فور یعنی کہ چپڑاسی بھی ہے۔اس کو جب چاہا کسی بھی کام پر لگا دیا باقی تو

اعتراض کر سکتے ہیں یہ کام ہمارے ذمہ نہیں لیکن یہ خدائی بھینس ایسی ہے کہ جس کے ہاتھ لاٹھی ہے اس کے آگے آگے اس کو دوڑنا پڑتا ہے، صحن، گراؤنڈ اور کمروں کی صفائی اس کے ذمہ ہے دیگر ملازمین کے لئے چائے بنانا، برتن صاف کرنا بھی فرائض میں شامل ہے سرکاری ذمہ داریوں کے علاوہ بھی اس کی کئی ذمہ داریاں ہیں کوئی بھی استاد جب بھی آئے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہونا اس کے لئے فرض عین کا درجہ رکھتا ہے جب کبھی کوئی سر پھرا یہ کہہ دے کہ صفائی کرنا تو سویپر کا کام ہے تو اس کی شامت آجاتی ہے، جب ان چپڑاسیوں کو جھاڑوں لگاتے دیکھ کر کئی بے روزگاری سے تنگ آئے نوجوانوں نے میونسپل کمیٹی کی آسامیاں برائے سویپر کے لئے درخواستیں دی تو ان کو کورا سا جواب مل گیا کہ پاکستان میں جھاڑوں لگانے کی آسامیاں صرف غیر مسلموں کیلئے وقف ہیں کوئی بھی مسلمان سویپر بھرتی نہیں ہو سکتا، کاغذوں میں تو بھرتی نہیں ہو سکتا لیکن سارے کام ان ہی بے چارے مسلمانوں سے لئے جاتے ہیں۔ بھلا چپڑاسی بھی کوئی اعلیٰ ذات کا مسلمان تھوڑی ہے یہ مسلمانوں میں ایسا ہے جیسے برہمنوں میں شودر ہوتا ہے۔

چپڑاسی کی اوقات بھی شودروں جیسی ہے، یہ ہے تو مسلمان لیکن مسجد میں بھی کبھیہ "ایاز کو محمود کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہونا پڑ جائے تو بیچارہ نماز میں بھی جھجکتا رہتا ہے کہ کہیں صاحب جھڑک ہی نہ دے، دن رات صاب کی خدمت کرتا ہے لیکن صاب لوگ تو اس کو منہ نہیں لگاتے، کہ کہیں سفارش کا نہ کہہ دے، اس بیچارے

کی سفارش بھی اس کی طرح بے وقت ہوتی ہے، کہ منت کرے گا بھی تو یہ کہ مجھے صاب آج جلدی چھٹی چاہیے، میرا بیٹا بیمار ہے اس کو سرکاری ہسپتال میں دکھانا ہے کیونکہ یہاں سے چھٹی کرکے لے جاؤگا تو ہسپتال سے ڈاکٹر اپنے پرائیویٹ کلینک میں جا چکا ہو گااور میرے پاس وہاں پرچیک اپ کرانی کی فیس نہیں ہے، لیکن صاحب سے چھٹی قسمت سے ہی مل سکتی ہے، کیونکہ صاحب سمجھتا ہے کہ بہانے باز ہے کوئی چکر کر رہا ہوگا، یا یہ سفارش کرے گا کہ میرے بیٹے کو فلاں سرکاری سکول میں داخلہ دلوادیں ایسی معمولی معمولی سفارشیں بھی درخوراعتناء سمجھی جاتی ہیں۔

اس کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ چپڑاسی ہے، سب سے نچلے طبقے و درجے کی وجہ سے ناروا سلوک کیا جاتا ہے تعلیم کا کوئی الاؤنس نہیں دیا جاتا، ترقی کے کوئی مواقع نہیں ان سے کام اس طرح لیا جاتا ہے جیسے گدھوں سے لیا جاتا ہے، گدھے سے بھی کام لے کر اس کو چھاؤں میں باندھ دیا جاتا ہے اور تازہ گھاس ڈالی جاتی ہے۔ بعض چپڑاسی تو اپنے آفیسر کے گھر کے بھی سارے کام سرانجام دیتے ہیں، آفیسر اس کے ساتھ ایسا رویہ رکھتے ہیں جیسے برہمن شودر کے ساتھ، اچھے کپڑے پہن نہیں سکتا اگر پہن لے تو اساتذہ برا مانتے ہیں کہ چپڑاسی ہو کر ایسے کپڑے پہنتا ہے، یہ اگر کام سے تھک کر بیٹھ جائے تو اس کی شامت آجاتی ہے، معمولی معمولی باتوں پر آرڈر بک کرکے اس کو ڈرایا جاتا ہے اور سروس

سرنڈر کے احکامات جاری کر دیئے جاتے ہیں اور تنخواہ روک دی جاتی ہے۔ معاشرے میں چپڑاسی ایک ایسی مخلوق ہے کہ بقیہ ملازمین کو تو گرمیوں کی چھٹیاں ہوتی ہیں اور ان کے لئے کوئی چھٹی نہیں موسم کیسا بھی ہو، بارش ہو طوفان ہو اس کو دوسرے ملازمین سے آدھا گھنٹا پہلے پہنچنا ہوتا ہے اور چھٹی آدھا گھنٹا بعد میں۔

اگر معاشرے میں نظر عمیق ڈالی جاتے تو پہلے تو لفظ ''چپڑاسی'' سرے سے موزوں ہی نہیں، پورے معاشرے میں چپڑاسی برا اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے اور بطور طعنہ استعمال ہوتا ہے۔ حکومت وقت کو اس کا ازالہ کرنا چاہیئے۔ چپڑاسی اگر اساتذہ کے سامنے بیٹھے یا ہنس کر بات کرے تو اس کو برا سمجھا جاتا ہے اور کرسی پر بیٹھنا تو گناہ کبیرہ سمجھا جاتا ہے اور کئی حضرات تو مصافحہ کرنا اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے لفظ ''چپڑاسی'' خامیوں کا مجموعہ ہے بعض سربراہ ادارہ اس کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، اس کے ترقی کرنے کے کوئی مواقع نہیں اگر وہ سربراہ ادارہ سے بھی زیادہ تعلیم یافتہ ہے تب بھی اس کی ترقی ایک خاص امتحان اور وہ بھی سالوں بعد لے کر صرف کلرک تک محدود ہے اور بھی ٹائپنگ ٹیسٹ امتحان ایک ایسی مشین پر لیا جاتا ہے جو سنہء 65 کی جنگ سے بھی پہلے استعمال ہوتی تھی، اگرچہ ترقی کر کے اس نے کام کمپیوٹر پر کرنا ہوتا ہے، تو امتحان بھی اس سے کمپیوٹر پر لیا

جائے نا کہ ٹائپینگ مشین پر اس وقت پورے دنیا سے اور پاکستان میں بھی ٹائپینگ مشین سسٹم اپنی آخری سانسیں لے رہا ہے۔

بعض لوگ چپڑاسی کو بادشاہ سمجھتے ہیں کہ صاب ان کے بغیر بات بھی نہیں کرتا وہ ایسا سوچتے اس لئے ہیں کہ اس کو صاحب کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ میری اجازت کے بغیر اندر کسی کو نہیں آنے دینا اور لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ بادشہ ہے جی بادشاہ جس کو چاہتا ہے شرف ملاقات کیلئے جانے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے انتظار کی ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے اور کئی اداروں میں تو چپڑاسی ایک اعلیٰ عہدہ میں فائز تصور کیا جاتا ہے وہاں جہاں ہر کام رشوت سے ہوتا ہے وہاں پر یہ بھی بہتی گنگا میں ہاتھ دھوتا ہے اور کئی خوش قسمت تو گھر بیٹھے تنخواہ وصول کرتے ہیں اور اس میں ایک مخصوص حصہ اپنے آفیسر کو دان کرتے ہیں۔

ساری زندگی صاحب لوگوں کی خدمت کرتے کرتے ذہن میں غلامانہ سوچ جنم لے لیتی ہے، ہر وقت ڈرا سہما سا رہتا ہے نجی محفلوں میں بھی گھبرایا گھبرایا ہو گا کہ یہاں پر بھی اگر محکمہ کا کوئی شخص ہوا تو پھر وہی ڈیوٹی سرانجام دینا پر جائے گی، ساری زندگی صاب لوگوں کی چاکری کرتے گزر جاتی ہے جب ریٹائر ہوتا ہے تو اپنی ساری زندگی کی حق حلال کی کمائی کو وصول کرنے کیلئے دھکیں کھاتا

پھرتا ہے اور اکاؤنٹس آفس میں رشوت دیئے بغیر اپنی پنشن تک وصول نہیں کر سکتا اور ریٹائرمنٹ کے پیسے بھی اتنے ملتے ہیں کہ اپنے کسی ایک بچی کی شادی ہی کر سکتا ہے اور پھر آسمان کی طرف دیکھتا رہتا ہے اور کھانستا رہتا ہے اور سوچتا رہتا ہے جس کی وجہ سے مختلف قسم کی بیماریوں سے دوستی لگا بیٹھتا ہے اور کھانستے کھانستے بلآخر قبر میں چلا جاتا ہے اور پیچھے اس کی اولاد وہی سے زندگی شروع کرتی ہے جہاں سے اس نے شروع کی تھی کیونکہ پاکستان میں آفیسر کا بیٹا آفیسر اور چپڑاسی کا بیٹا چپڑاسی ہی بنتا ہے۔

بے حس معاشرہ

گھر معاشرہ حتیٰ کہ ملک بھی تباہ و برباد ہو جاتے ہیں جب ان سے عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، تباہ و بربادی سے مراد صرف یہ نہیں کہ ملک میں خانہ جنگی ہو، امن ندارت ہو جائے، اشیاء صرف کنٹرول سے باہر ہو جائیں فصلیں تباہ و برباد ہو جائیں، نہیں ! بلکہ اصل تباہی معاشرے میں بسنے والوں کے رویہ میں منفی تبدیلیاں ہے۔ جس کی وجہ سے وہاں پر بسنے والوں کا چین و سکون چھن جاتا ہے، رشوت عام ہو جاتی ہے، ناجائز منافع کو اچھا سمجھا جانے لگتا ہے، سب کچھ جانتے بوجھتے خاموش رہنے ہی میں عافیت محسوس کرنا اور اس سے بڑھ کر تباہی اور کیا ہو سکتی ہے کہ گناہ، ظلم ، ناانصافی وزیادتی کو ہوتے ہوئے دیکھے اور اس کی مذمت نہ کرے اور تو اور ظالم ، مجرم، چور، لٹیرے اور گنہگار کے ساتھ تعلقات رکھنا، اٹھنا بیٹھنا اعزاز سمجھنے لگے ، میرے خیال سے معاشرے کی تباہی اس سے بڑی اور کوئی نہیں ہو سکتی، اس کے پیچھے جہاں اور بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہاں سب سے اہم عدل وانصاف میں توازن کا بگڑ جانا ہے، جیسے جیسے نظام عدل کمزور ہوتا جائے گا ایسے ایسے معاشرہ تنزلی کا شکار ہوتا جائے گا۔ اگر معاشرہ کو قائم ودائم اور پر سکون رکھنا ہے تو اس ملک کے نظام عدل کو تبدیل کرنا ہو گا، ایسا نظام عدل جہاں انصاف کے تمام تقاضے پورے ہوتے ہو، جہاں امیر غریب، کمزور وطاقتور میں کوئی

تسخیص نہ ہو، جہاں امیر کو جلدی انصاف اور غریب کو " پیشی "پر نہ ٹرخایا جائے بلکہ مجرم جو بھی ہو جیسی بھی حیثیت کا مالک ہو اس کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

ہمارے ملک کا نظام عدل مسلسل تنزلی کا شکار ہے لوگوں کا عدالتوں سے اعتبار اٹھ چکا ہے، عدالتیں اپنا وقار کھو چکی ہیں، ہماری عدالتیں برسوں کسی عام سے مسئلے کا فیصلہ نہیں کر پاتی مسلسل اس کو لٹکاتی ہی رہتی ہیں، کسی کو 14 سال اور کسی کو 20 سال بعد باعزت بری کر دیا جاتا ہے اتنے سال بعد جب کسی کو باعزت بری کیا جاتا ہے تو کیا ایسا کوئی قانون، کوئی ادارہ ہے جو عدالتوں سے پوچھے کی جب یہ شخص مجرم نہیں تھا تو اس کو اتنا عرصہ جیل میں کیوں رکھا گیا؟ان کی جوانی کی اتنی بہاریں جیل کی نذر ہو چکی ہیں اب اس کو اس کا کفارہ کون ادا کرے گا؟ایک طرف بے گناہ کو جیل میں گلنے سڑنے کیلئے چھوڑ دیا جاتا ہے تو دوسری طرف گنہگار کو راتوں رات "زم زم" سے غسل دے کر پاک کر کے " باعزت " گلے میں پھولوں کے ہار ڈال کر وہی وحشیانہ زندگی گزارنے اور دوبارہ وہی جرم کرنے کیلئے کھلی چھٹی دے دی جاتی اب وہی مجرم جو باعزت زندگی گزارنے کیلئے آزاد ہوتا ہے اور قانون، عدالتوں اور جیل کا اس کو کوئی خوف نہیں ہوتا پھر وہ کھلم کھلا جرم کرتا ہے اور شریف لوگ صرف استغفار کرتے رہتے ہیں اور قدرت کی طرف سے اس کی سزا کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

ایسا ہی ایک "باعزت" مجرم آج کل ہمارے گاؤں کی گلیوں میں "شریفانہ" گھومتا ہوا نظر آتا ہے اور لوگ صرف یہ کہہ کر مطمئن ہے کہہ اگر عدالت نے باعزت بری بھی کر دیا ہے تو قدرت نے سزا بھی تو دنیا میں دے دی ہے، جب میں نے پوچھا کہ قدرت کی طرف سے اس کو کیا سزا ملی ہے؟ تو بتایا گیا کہ دیکھو جی! یہ سزا نہیں تو اور کیا ہے؟ جو گلیوں میں اکیلا گھومتا رہتا ہے، کسی سے کوئی بھی بات نہیں کرتا صرف کتوں کو پتھر مارتا رہتا ہے۔ میں نے استفسار کیا کہ کیا اتنے بڑے جرم بلکہ جرائم کی سزا بس اتنی سی! جواب ملا بس جی ہم کیا کر سکتے ہیں عدالت نے بری کر دیا ہے اب ہم تو قانون پسند شہری ہیں، قانون کے خلاف تو کچھ نہیں کر سکتے عدالتیں بہتر جانتی ہیں کہ کس کو سزا دینی ہیں اور کس کو آزاد کرنا ہیں، ہم تو کمزور، ضعیف، غریب تو بس دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ اسلامی نظام کی بہاریں دکھا دے میں نے کہا جناب اسلامی نظام دعاؤں سے نہیں آتا اگر دعاؤں سے آنا ہوتا تو ہمارے لاکھوں علماء اور عوام دن رات مصلوں و حجروں میں اٹھتے بیٹھتے دعائیں ہی تو مانگ رہے ہیں اب تک تو آ جانا چاہیئے تھا لیکن اللہ کا بھی اپنا ایک قانون ہے جو اس کے خلاف نہیں کرتا قارئین یہ موضوع پھر کبھی سہی! اس وقت تو میں آپ کو ایک بدبخت بدکردار شخص کی زندگی کے ان پہلوں سے روشناس کرا رہا تھا، اس کے جرائم کی تفصیل کافی طویل ہے اس سے پہلے بھی "بدفعلی" کے جرم میں جیل کاٹ چکا ہے۔

اب جو جرم اس بدبخت شخص نے کیا ہے ایسا قبل از اسلام میں ہوتا تھا ،ایک بڑا مشہور واقعہ جب حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوا اور بچی کو زندہ در گر کرنے کا واقعہ سنایا تو رحمتہ العالمین ﷺ زار و قطار رونے لگے صحابہ اکرام کے آنسو لڑیوں کی مانند بہنے لگے ،ویسا ہی واقعہ شینباغ کی سرزمیں جب اعجاز ملعون نامی شخص نے ایک عورت جس کے ساتھ اس کے ناجاعز تعلقات تھے ،اس کو قتل کر دیا اگر بات صرف قتل تک ہوتی تو کوئی خاص بات نہیں تھی کیوں کہ ہمارے ہاں ایسے واقعات اب تو تسلسل سے ہونے لگے ہیں لوگ اب ایسے واقعات دیکھ اور سن کر ٹس سے مس نہیں ہوتے ،بات اس سے بہت آگے کی تھی اس مردود شخص نے اس عورت کے ساتھ ساتھ اس کی 3 سالہ بچی کو زندہ دفن کر دیا اور جب میڈیکل رپورٹ آئی تو معلوم ہوا کی وہ عورت حاملہ بھی تھی کہاں گئے اسلام کے ٹھکیدار اور کہاں ہیں؟ انسانی حقوق کے علمبردار؟ نہ زمین ہلی اور نہ ہی آسماں پھٹا اور تو اور اس معاشرے میں بسنے والے نام نہاد زندہ لوگوں کے آنسو تک نہ نکلے پہلے پہل جب اس واقعہ کا شور اٹھا تو گھر گھر اس کا ذکر عام ہوا تو ان بدبودار کردار والے لوگوں نے عجیب و غریب منطقی دلیلیں پیش کرنی شروع کی کہ اتنا بڑا کام ایک شخص کے بس کا نہیں جب آلہ قتل برآمد ہوا لاشیں نکالی گئیں اور میڈیکل رپورٹ آئی تو کہنے لگے یار شکل سے تو ایسا نہیں لگتا تھا چلو اب قانون اس کو خود سزا دے گا اور جب قانون نے پیسے لے کر "راضی نامہ" کی

شکل میں قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے باعزت بری کر دیا تو اب کہتے ہیں کہ اس شخص کو قدرت ہی سزا دے گی، کیا سب کام قدرت نے ہی کرنے ہیں؟ ہمارے ذمہ کوئی کام نہیں ہمیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب جس کسی کے پاس ہے از راہ مہربانی مجھے مطلع فرمادیں تاکہ مجھے بھی سکون میسر آ سکے۔

اس واقعہ کا ہمارے مردہ معاشرے پر کوئی اثر نہیں ہوا ہر شخص اس کو رحم کی نظر سے دیکھتا ہے ہاں کیوں نہ دیکھے جس سب کا ضمیر مرچکا ہو یا مرنے کے قریب ہو وہ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہے پر میرا ضمیر ہر وقت مجھے ملامت کرتا رہتا ہے جب بھی اس کا ذکر بد ہو، کہیں دور سے بھی اس منحوس پر نظر پڑ جائے میرا اندر زخمی ہو جاتا ہے میں بھی کیا کروں اس ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہوں بہت تھپکیاں دی پر یہ بھی کچھ ایسا ڈھیٹ ہے سونا تو دور کی بات اونگھتا بھی نہیں، جب سے یہ واقعہ ہوا ہے اس وقت سے میرا کلیجہ چھلنی ہے اب اپنے زخم آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ شاید کچھ مداوہ ہو جائے۔

حقوق نسواں کا واویلا اور حقیقت

آج معاشرے میں عورت پر ظلم وستم کی حالت یہ ہے کہ بھائی، ماں باپ کے تمام مال اور جائیداد پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ بہن اور بیٹیوں کو ان کا حق نہیں دیا جاتا، عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا، عورت کو مارنا پیٹنا، عورت پر بے جا الزام لگانا، عورت کے مال پر قبضہ کرنا عورت کو بے جا طلاق دینا، عورت کی جبری شادی کرنا، عورت کو ''ونی'' کی بھینٹ چڑھانا، کاری کرنا اور اسکی شادی قرآن سے کرنا یہ وہ ظلم ہیں جو معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔

دنیا کی ہر ثقافت کا آغاز عورت سے ہوتا ہے۔ 1710ء میں برطانیہ نے حجاب اور سکارف پر پابندی لگائی برطانوی حکومت نے عورتوں کو زبردستی کم کپڑے پہننے پر مجبور کیا اور عورتوں کو زبردستی گھروں سے باہر نکالا، ان سے فیشن پریڈ کروائیں یہ ان ہی فیشن پریڈ کا نتیجہ ہے کہ آج یورپ سماجی برائیوں کا شکار ہو چکا ہے۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بہت سے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دنیا میں عورتوں کو آزادی اور برابری کا حق بیجنگ کانفرنس سے شروع ہوا اور ان کی مظلومیت، مقہوریت اور پست مرتبے کو بہتر بنانے کے لئے 1995ء میں عالمی برادری نے پہلی دفعہ اعلان کیا، دکھ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ آزادی نسواں کے حوالے

سے جس مذہب کو خواتین کی آزادی کے راستے میں سب سے زیادہ رکاوٹ سمجھا جاتا ہے وہ اسلام ہے اور جس قوم کو عورتوں کے سلسلے میں اجڈ، گنوار اور ظالم کہا جاتا ہے وہ مسلمان ہے۔ لیکن حالت اس کے بالکل برعکس ہے صرف چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں جس سے آپ کو حقیقت کا ادراک ہو جائے گا۔

اسلامی لباس خاص کر سکارف کے خلاف بغض و عناد اس وقت پوری دنیا میں پایا جاتا ہے اور یہ سخت پابندیوں کی زد میں ہے۔ جیک اسٹرا جس کا تعلق برطانیہ کی لیبر پارٹی سے ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلمان خواتین کا پردہ مختلف تہذیبوں کے درمیان رکاوٹ ہے اور وہ جب اپنے حلقے میں پردہ نشین مسلمان خواتین سے ملتے ہیں تو انہیں شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں محسوس ہوتا ہے جیسے خواتین ان سے دیوار کے پیچھے سے مخاطب ہیں، انہوں نے مسلمان خواتین سے کہا کہ '' وہ جب ان سے ملاقات کیلئے آئیں تو نقاب اتار کر آیا کریں''۔

امریکا میں خواتین کے حقوق اور انسانی حقوق کی کوئی تنظیم ایسی نہیں جس کی رپورٹوں کے مطابق ہر سال 60 سے 70% خواتین اپنے باس یا سینئر کے ہاتھوں جنسی بلیک میلنگ اور بعض اوقات جنسی تشدد کا شکار نہیں ہوتیں، وہاں پر ہر سال 10 لاکھ کمسن بچیاں ناجائز بچے پیدا کرتی ہیں اور اتنی ہی اسقاط حمل کرواتی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہر سال 15 ہزار امریکی خواتین اپنے خاوندوں، سابقہ

خاوندوں یا پھر بوائے فرینڈز کے ہاتھوں قتل ہوجاتی ہیں، یہ تعداد دنیا کے کسی بھی مسلمان ملک کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے، امریکا میں آج تک جتنی بھی خواتین قتل ہوئی ہیں 'ان سب کی کل تعداد میں سے 34%ایسی تھیں جنہیں ان کے خاوندوں نے قتل کیا، قتل اور تشدد کے علاوہ مارپیٹ امریکی گھرانوں کا معمول ہے، زخمی حالت میں ہسپتال آنے والوں میں 30% عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو حادثے سے نے نہیں بلکہ ان کے خاوندوں نے زخمی کیا ہوتا ہے۔امریکا میں ہر 2 منٹ بعد 1 عورت جنسی تشدد کا شکار ہوتی ہے۔ صرف ایک سال 1996ء میں 3 لاکھ 10ہزار عورتیں پولیس رپورٹ کے مطابق جنسی تشدد کا شکار ہوئیں ورنہ اصل تعداد 9 لاکھ سے بھی زیادہ بنتی ہیں، اسی ایک سال میں 12 لاکھ کے قریب بچے زیادتی کا نشانہ بنے تو ان میں بھی 75%لڑکیاں تھیں۔امریکا میں اگر دن میں 100 بچے پیدا ہوتے ہیں تو ان میں 35 بچے ایسے ہوتے جو باپ کے بغیر اس دنیا میں آتے ہیں یعنی ان کے خانہ ولدیت میں باپ کا نام درج کرنے کے لئے کوئی شخص میسر نہیں ہوتا۔

دوسری طرف جو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کہتے نہیں تھکتے اس ہی ہندوستان میں عورتوں کو خاوندوں کے ساتھ زندہ جلانے کی رسم کو مذہبی تقدس کا درجہ حاصل ہے اس کے علاوہ وہاں روزانہ کم جہیز لانے کے جرم میں عورتیں زندہ جلا دی جاتی ہیں لیکن کبھی مغربی میڈیا ہندو معاشرے کو خواتین کا دشمن قرار نہیں دیتا۔

لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ آزادی حقوق نسواں کی ساری

یلغار اور نزلہ اسلام کے خلاف نکلتا ہیں۔ عورتوں کو عزت واحترام دینے والا اسلام آج پوری دنیا میں مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے، جو مذہب عورت کے حق میں متعصب ہے اسے آج عورت کے خلاف متعصب سمجھا جاتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ 2 ہزار سال گزرنے کے باوجود آج تک ویٹی کن سٹی میں کسی عورت کو پوپ کے منصب پر فائز نہیں کیا گیا، دنیا بھر کے چرچوں میں مرد اور عورتیں اکٹھی عبادت کرتیں ہیں لیکن آج تک کسی ایک بھی عورت نے چرچ میں دعا کی قیادت نہیں کی، کروڑوں ہندؤں مندروں میں پوجا پاٹ کرتے ہیں ان کی عورتیں بھی ان کے ساتھ پوجا میں شریک ہوتی ہیں لیکن آج تک کبھی کسی گرو، کسی پروہت کی کرسی پر عورت نہیں بیٹھی؟

مشرف دور میں امریکا نے اپنی 52 این جی اوز پاکستان بھجوائیں ان این جی اوز نے بڑے پیمانے پر سماجی تبدیلیوں کے لئے کوششیں شروع کیں، انہوں نے حقوق آرڈیننس کو مرکز بنایا اور اس کی آڑ میں تحفظ حقوق نسواں بل داغ دیا، حدود آرڈیننس جیسے نان ایشو پر 25 کروڑ روپے خرچ کئے گئے۔ تحفظ حقوق نسواں بل امریکا کے مشہور تھینک ٹینک ''رینڈ کارپوریشن'' کا اسپانسر کیا ہوا ہے، اس بل کی بعد دفعات وہی ہیں جو 18 ویں اور 19 ویں صدی میں متعارف کرائی گئی تھیں۔ ان این جی اوز کے علاوہ ایسی سینکڑوں این جی اوز اس وقت پاکستانی معاشرے میں تبدیلی لانے کے لئے سرگرم ہیں۔ یہ این جی اوز مختلف ناموں سے آئے روز پروگرام

منعقد کرتی رہتی ہیں، یہ پروگرام کبھی آزاد عورت کے نام پر، کبھی حقوق نسواں کے نام پر اور کبھی عورت کو معاشرے میں مقام دلانے کے نام پر منعقد کئے جاتے ہیں۔ یہ این جی اوز چاہتی ہیں کہ پاکستانی عورت گھر سے باہر نکلے، برقع کو دور پھینکے، جم، بار اور کلب کی طرف رخ کریں، بیوٹی کنسرٹ میں حصہ لے اور پاکستانی معاشرے کو لبرل بنا دیا۔ اسلام نے عورتوں کو سب سے زیادہ حقوق دیئے ہیں، اسلام کے بجائے حقوق نسواں کے مظاہروں اور درسوں کی چرچوں اور مندروں کو زیادہ ضرورت ہیں۔

پڑھو پنجاب بڑھو پنجاب

دانش ور کہتے ہیں کہ کسی بھی ملک کے اگر تین طبقے اساتذہ، عدلیہ اور فوج ٹھیک ہو جائے تو پورے ملک کا نظام ٹھیک ہو جاتا ہے، لیکن ''وجدان'' کا کہنا ہے کہ اگر صرف اساتذہ ہی اپنا فرض احسن طریقہ سے نبھانا شروع کر دیں تو ملک کو ترقی کی راہ پر سفر کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا، کیونکہ عدلیہ اور فوج بھی اساتذہ ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے جس نہج کی تربیت ہو گی نتیجہ بھی ویسا ہی آئے گا، ہمارے ملک میں سب سے ابتر صورت حال محکمہ تعلیم کی ہے، اس پر سب سے کم سرمایا کاری کی جاتی ہے اور تجربات سب سے زیادہ کئے جاتے ہیں، ہر سال نصاب تعلیم تبدیل ہوتا ہے عمارتوں کو خوبصورت بنانے کیلئے دن رات کوششیں کی جاتی ہیں، محکمہ تعلیم کی چیکنگ کے لئے کئی ''ادارے کام کر رہے ہیں لیکن نتیجہ وہی ''ڈھاک کے تین پات

ایک رپورٹ کے مطابق صرف صوبہ پنجاب میں 9 ماہ کے دوران وزیر اعلیٰ پنجاب کی طرف سے قائم کردہ ٹیموں نے مختلف اوقات میں صوبہ بھر کے پرائمری، مڈل، ہائی اور ہائیر سکینڈری سکولوں میں چھاپوں کے دوران 23 ہزار 139 اساتذہ کو اپنی تدریسی ڈیوٹی سے غیر حاضر پایا 9 ماہ کے اعداد و شمار کے مطابق غفلت، لاپرواہی اور مسلسل غیر حاضری کے مرتکب 740 اساتذہ کو نوکری سے فارغ 164 انکری منٹ روک دی گئی اساتذہ کی تنخواہوں میں کٹوتی 100 کو جبری ریٹائرڈ کر دیا گیا سرکاری 744

سکوں کے بجائے دیگر جگہوں پر ڈیوٹی دینے والے 79 اساتذہ کو واپس ڈیوٹیوں پر بھجوایا گیا ہے جبکہ 1621 اساتذہ کو وارننگ دی گئی۔

جتنی زیادہ محنت تعلیمی اداروں کو ٹھیک کرنے کے لئے کی جاتی ہے نتیجہ اس کے الٹ ہی نکل رہا ہے اب ہمیں ان اداروں کو ٹھیک کرنے کے لئے نئے سرے سے حکمت عملی ترتیب دینا ہو گی صرف دھونس دھاندلی سے کام نہیں چلے گا، اب اساتذہ کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کے مسائل کا جائزہ بھی لینا ہو گا، سکولوں کو چیک کرنے کے نظام میں تبدیلی لانا ہو گی۔ چیکنگ کرنے والوں پر بھی نظر رکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ سارا دارومدار ان ہی پر ہے، ان میں بھی کئی کالی بھیڑیں چھپی بیٹھی ہیں، یہ جس کو چاہتے ہیں حاضر کو غیر حاضر یا لیٹ آمد اور غیر حاضر کو رخصت پر شمار کر دیتے ہیں، مانیٹرنگ کے لئے ریٹائرڈ فوجیوں کے بجائے اساتذہ یا نئے لوگوں کو تعینات کیا جائے اور ان کی بھی تربیت کا خصوصی انتظام کرنا بہت ضروری ہے۔

محکمہ تعلیم کو ٹھیک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں سے کرپٹ اساتذہ کو فوراً فارغ کیا جائے، ہر ادارے میں سربراہ ادارہ کے خاص منظور نظر ہوتے ہیں جن کو ہر قسم کی آزادی دی جاتی ہے جس کی وجہ سے ایماندار اساتذہ کا استحصال ہوتا ہے اور ماحول بھی خراب ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ محکمہ بھی بدنام ہوتا

ہے۔اساتذہ کے مسائل کو بھی ترجیحی بنیادوں پر حل کرنا ہوگا تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنا کام کر سکیں،ان کے مسائل میں کم تنخواہ،ناقص مراعات، سہولیات کی کمی،نامناسب سروس سٹرکچر اور امتیازی سلوک کا روا رکھا جانا ہے۔جب کم تنخواہ کے باعث اساتذہ کو زائد آمدن کے لئے مزدوری کرنا پڑے گی تو طلبہ کا تعلیمی حرج تو ہو ہی گا،اساتذہ سے تمام اضافی ڈیوٹیاں،ڈینگی،پولیوں،الیکشن اور مردم شماری جیسی ڈیوٹیاں بھی لی جائیں گی تو تعلیمی نظام بہتر ہونے کے بجائے زیادہ خراب ہوگا،قومی اعزازات میں اساتذہ کو ہمیشہ نظرانداز کیا جاتا ہے،سرکاری تقریبات میں اساتذہ کو بھی مدعو کیا جائے،تمام اساتذہ کے کنوینس الاؤنس کو ایک جیسا کر دیا جائے،میڈیکل اور ہاؤس رینٹ کو بھی برابر ہونا چاہیے،منظور نظر لوگوں کو نوازنا بند اور شرارتی اساتذہ کو فوراملازمت سے فارغ کر دیا جائے،ایک شخص کی آفسران بالا کی ذاتی دشمنی کے لئے باقی عملہ کو تنگ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے کئی اساتذہ ذہنی مریض بن چکے ہیں، دوراور مشکل علاقوں میں جانے والے کو کوئی سہولت فراہم نہیں کی جاتی۔علاقائی وڈیروں اور سیاسی شخصیات کا سکولوں میں عمل دخل روکا جائے اور ملازمین کو تحفظ فراہم کیا جائے،ان کو بلاوجہ تنگ نہ کیا جائے ایک جیسی غلطی کی سزا بھی ایک جیسی ہونی چاہیے سکیل کا خیال نہ کیا جائے سب کے، ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے،ملازمین کے مسائل کو سنا جائے اور ترجیحی بنیادوں پر سنجیدگی کے ساتھ حل کیا جائے۔ترقی کے یکساں

مواقع فراہم کئے جائیں،اور ان کو برادرانہ ماحول فراہم کیا جائے اور حوصلہ افزائی کو معمول بنایا جائے۔

اساتذہ کو بھی چاہیے کہ اپنے آفیسر کے حکم کو مانے اور کام نیک نیتی اور احسن طریقہ سے کریں، تمام طلبہ کو اپنے بچوں جیسا سمجھیں اور ادارے کو بھی اپنے گھر جیسا بنائیں طلبہ سے مذاق کی عادت ہر گز نہ بنائیں،اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کی بہتر راہنمائی، کریں، ان کی ذہنی ساخت کو دیکھتے ہوئے ان کو پہلے سے تیار کیا جائے کہ انہوں نے آگے جا کر کن مضامین کا انتخاب کرنا ہے تاکہ وہ اپنی تعلیم کو بہتر طور پر حاصل کر سکیں،لوگوں کا سرکاری تعلیمی اداروں پر اعتماد بحال کیا جائے یہ تب ہی ممکن ہے جب اساتذہ اپنے بچوں کو سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوائیں،حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ اساتذہ پر لازم قرار دیں کہ وہ اپنے بچوں کو بھی ان ہی اداروں میں تعلیم دلوائیں جن اداروں میں وہ خود پڑھاتے ہیں،سیکرٹری تعلیم سے لے کر ایک عام سرکاری تعلیمی ملازم پر یہ لازم ہو کہ وہ اپنے بچوں کو سرکاری تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوائیں۔تبدیلی تب ہی ممکن ہے،اعتماد کا رشتہ تب ہی مضبوط ہو گا،بے جا اشتہارات،ریلیوں اور مہنگے ہوٹلوں میں پریس کانفرنس کرنے سے تعلیمی نظام بہتر نہیں ہو سکتا اس کے لیے عملی اقدامات کرنے ہوگے،ایسے اقدامات جن میں صرف ملازمین کو مشکل میں نہ ڈالا جائے اس سے حالات ٹھیک ہونے کے بجائے اور

ابتر ہو جائیں گے۔

پولیس قانون سے بالاتر کیوں؟

ہمارے ملک کی پولیس اپنے منفی رویے کی وجہ سے مشہور ہے ہمارے معاشرے میں ان کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا لوگ ان کو دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیتے ہیں اور ان کے ساتھ تعاون کم ہی کیا جاتا ہے ،شریف اور ایماندار لوگ پولیس والوں کے ساتھ میل جول کم ہی رکھتے ہیں، تھانا ان کے لیے ایک برے سپنے جیسا ہے ،پولس کے ساتھ لوگوں کا رویہ عموماٹھیک نہیں ہوتا،اس میں سب سے اہم وجہ پولیس کا اپنا کردار ہے کیونکہ لوگ پولیس کو اور پولیس والے بھی خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں اور یہ بات حقیقت کے قریب تر بھی ہے۔

ایک رپورٹ کے مطابق پولیس آرڈیننس میں 2010 کی ترمیم کے بعد 155 سی کے تحت 13 سالوں میں پولیس اہلکاروں کے خلاف 4 ہزار سے زائد مقدمات کا اندراج ہوالیکن کوئی بھی افسر یا اہلکار سزا کی زد میں نہ آ سکا،پولیس اختیارات کے ناجائز استعمال، رشوت خوری اور دیگر چھوٹی بڑی بدعنوانیوں میں ملوث اہلکار صرف مقدمات تک ہی محدود رہے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ 75 فیصد اندارج مقدمات میں ملوث ملزمان کو گرفتار تک نہ کیا جاسکا ،بعد ازاں متاثرین کو وقتی تسلیوں کے لیے درج کیے گئے مقدمات کا اخراج بھی افسران کی ہدایت پر کردیا جاتا ہے۔

میں سابقہ پولیس نظام کو تبدیل کرتے ہوئے جہاں انویسٹی گیشن ونگ اور 2002 دیگر اصلاحات پیدا کی گئیں تھیں وہاں سال 2010 میں پولیس نے اس سابقہ ایکٹ میں ترمیم کرتے ہوئے مجسٹریٹی اختیارات بھی حاصل کیے تھے،اس پولیس گردی کے خلاف بنائی جانے والے سیکشن 155 سی کے تحت محکمہ پولیس سے رشوت ستانی اختیارات کے ناجائز استعمال اور دیگر بد عنوانیوں کو ختم کرنے کے لیے پولیس اہلکاروں کو بھاری سزائیں اور جرمانہ کرنے سمیت محکمہ پولیس سے برطرف کرنے کا مسودہ تیار کیا گیا تھامگر اس مسودہ کے اختیارات پولیس ایکٹ محکمہ پولیس نے اپنے دائرہ اختیار میں کر لیے تھے،سال 2010 میں مجسٹریٹی اختیارات چھیننے کے بعد 155 سی تحت درج کیے گئے مقدمات کے مدعی شہریوں کو ڈرا دھمکا کر یا پھر تفتیشی افسران سے ملی بھگت کر کے یا پھر ماہر قانون دانوں کے ذریعے قانونی باریکیوں کا استعمال کرکے باآسانی مقدمات کا اخراج شروع کر دیا،یہی وجہ ہے کہ 2002 سے لے کر اب تک ایسی کوئی مثال نہیں پائی جاتی جس میں کسی پولیس افسریا اہلکار کو سزا دی گئی ہو،محتاط اعدادوشمار کے مطابق 2002 میں نئے پولیس نظام کے رائج ہونے کے بعد 2003 میں پولیس اہلکاروں اور افسران کے خلاف سب سے زیادہ 540 مقدمات کا اندراج کیا گیا جو کہ وقت کے ساتھ آہستہ آہستہ بتدریج کم ہوتا گیا،2004 میں 503،2005 میں 490،2006 میں 492، 2007 میں 327، 2008 میں 287، 2009 میں 481، 2010 میں 241، 2011 میں 458، 2012 میں 211 اور 2013 میں 199، 2014 میں اور 2015 میں درج ہونے والے مقدمات کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔192

ایسے واقعات کے بعد عوام کا اعتماد کیسے اپنے محافظوں پر رہے گا، عوام کے محافظ اپنے آپ کو قانون سے برتر سمجھتے ہیں اور ان کا رویہ ہتک آمیز ہوتا ہے، اپنی وردی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، لوگوں کو بلاوجہ تنگ کرنا ان کا معمول ہے، چیکنگ کے دوران تو یہ کسی کو انسان نہیں سمجھتے، ہاں البتہ صاحب حیثیت اور بڑی گاڑی والے کو جھک کر ملتے اور پورے پروٹوکول کے ساتھ ان کے ہر ناجائز کام کو جائز قرار دلوا کر منزل مقصود تک پہنچانا اپنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ یہ دوہرا رویہ تو ایک طرف مایوسی پھیلاتا ہے تو دوسری طرف عیاشی اور بدمعاشی کو فروغ دیتا ہے۔

موجودہ دور میں پولیس کی تنخواہ اور مراعات دوسرے تمام محکموں کے ملازمین سے زیادہ ہے۔ پھر بھی اس کے ملازمین رشوت لینا ضروری سمجھتے ہیں جو جتنی زیادہ رشوت لیتا ہے وہ اتنا ہی معتبر اور قابل عزت سمجھا جاتا ہے۔ ان کا رویہ روز بروز بگڑتا جا رہا ہے جس کی وجہ سے عوام کے اندر ان سے نفرت بڑتی جا رہی ہے ضروری امر ہے کہ اب اس محکمہ کا قبلہ درست کرنے کے لیے مثبت، تیز اور دیرپا اقدامات کی ضرورت ہے۔ جب تک عوام کے اندر سے ان کے خلاف خوف، غصہ اور غلط فہمیاں دور نہ کی جائیں گی اس وقت تک ہمارے معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ناممکن نظر آتا ہے۔ پولیس کو اپنے رویہ کو تبدیل کرنا ہوگا، ان پر ایک

مضبوط مانیٹرنگ نظام لانا ہوگا جو ان کو سیدھی راہ پر رکھے ، صرف "ماڈل پولیس "نام رکھنے سے تبدیلی نہیں آئے گی بلکہ ان کی تربیت کی طرف بھرپور دھیان دینا ہوگا،ان کے ذہن میں بٹھانا ہوگا کہ وہ عوام کی خدمت کے لیے ہیں اور ان کو اس پر راسخ کرنا ہوگا کہ کسی بے گناہ کو نہ چھیڑیں اور کسی گنہگار کو نہ چھوڑیں۔

پولس والوں کے مسائل بھی بے شک ہیں ان کی چھٹیوں کا سب سے اہم مسئلہ ہے لیکن ان کو حل بھی کیا جاسکتا ہے ۔ عوام کی خدمت اولین ترجیح ہونی چاہیے ، معاشرے کو بنانے اور بگاڑنے میں پولیس کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے،کالی بھیڑیں ہر محکمہ میں موجود ہیں جن کی وجہ سے فرض شناس،ایماندار اور عوامی خدمت کرنے والے بھی معتوب ٹھہرتے ہیں،کالی بھیڑوں کو چن چن کر محکمہ سے نکالا جائے اگر کوئی پولیس آفیسر بھی کسی کیس میں ملوث ہو،ملزم یا مجرم ہو تو اس سے بھی کسی قسم کی رعایت نہ دی جائے، قانون کی نگاہ میں سب کو برابر قرار دیا جائے، قانون کے لمبے ہاتھوں کو صحیح طور پر استعمال کیا جائے نہ کہ منفی طور پر، ہمارے تھانے پولیس سٹیٹ بن چکے ہیں اور عوام کے خادم صاحب ثروت اور سیاسی قائدین کے حکم کی بجاآوری کو ہی اپنی ڈیوٹی سمجھنے لگے ہیں جو ایک غلط روش ہے پولس نظام کو درست کرنا انتہائی ضروری ہے ان کا آڈٹ بھی ہونا چاہیے ان کی آمدنی کے ذرائع پر کڑی نگرانی رکھنی پڑے گی ایک دن میں کوئی

بھی ادارہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔اس کیلیے مسلسل کڑی محنت سخت نظام اور وقت درکار ہے۔

''نصرت عزیز اور ''اک ذرا سی بات

میں نے اپنی زندگی میں ایسے بہت سے لکھنے والے دیکھے ہیں وہ جو لکھتے ہیں کرتے اس کے برعکس ہیں،ان کے قول فعل میں تضاد واضح جھلکتا ہے ،لکھتے وہ رشوت کے خلاف ہیں لیکن کھل کر رشوت لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی ہیں، قانون کی پاسداری کا درس دیتے ہیں لیکن خود کھل کر قانون کی دھجیاں اڑاتے ہیں، سرکاری اداروں میں مداخلت اور افسران بالا کو بلیک میل اور منت سماجت کرکے اپنا کام نکلوانا فرض سمجھتے ہیں، بات حق حلال کی کریں گے لیکن کمائیں گے کالا دھن، عظیم الشان محلات میں بیٹھ کر غربت کا رونا روتے ہیں، دوسریوں کی مدد کرنے کے ہزارہا طریقے بتائیں گے لیکن وقت ضروت مدد کرنا تو دور کی بات ہتک کرنا اپنا منصب سمجھے گے۔ لیکن میں جس مصنف کی بات کر رہا ہو وہ خوبیوں کا مجموعہ ہیں بطور انسان خامیاں تو ضرور ہو نگی لیکن اخلاص اور دوسروں کی خدمت کرنے کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے میری مراد "اک ذرا سی بات" کے مصنف نصرت عزیز سے ہی معاشرے میں ایسے لوگ خال خال پائے جاتے ہیں جن کے قول اور فعل میں تضاد نہ ہو اسلام ان کے لیے راہ پاکستان ان کی جان اور انسانیت سے محبت ان کی پہچان ہے۔

غریب اور نادار بچوں کو مفت ٹیوشن پڑھاتے ہیں، یتیم بچوں کی فیس اپنے جیب سے

ادا کرتے ہیں اور بیوگان اور غرباء کی مدد کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں ہر ایک کے لیے اور ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ دیکھائی دے گی،ان کی محفل میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں سب کو برابر سمجھتے ہیں اپنا چولہا مشکل سے جلتا ہے لیکن دوسروں کا چولہا جلانے کے لیے دن رات تیار ہیں ہر فلاحی کام میں آگے آگے ہوں گے مشہوری سے دور بھاگتے ہیں حب جاہ کے طالب نہیں سیاسی اور وڈیروں سے تعلقات کے شوقین نہیں خود تعلیم یافتہ ہیں لیکن ان پڑھ لوگوں سے نفرت نہیں کرتے خوبیاں لا تعداد ہیں جیسے لکھتے خوبصورت ہیں ویسے کردار کے بھی خوبصورت ہیں ایک بار ملیں گے بار بار ملنے کا جی کرے گا ان کی محفل کا حصہ بننے پر آپ کو خوشی اور فخر محسوس ہو گا۔ہر نئے لکھنے والی کی بڑی قدر کرتے ہیں اور بھرپور راہنمائی بھی کرتے ہیں نئے لکھنے والوں کے لیے حاشیہ ''کا اجراء بھی کیا ہے۔''

ان کے مضامین کا پہلا مجموعہ اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے، کسی بھی کتاب پر تبصرہ لکھنا آسان نہیں ہوتا اوجھ جیسے کم علم کے لیے تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اور پھر کتاب بھی ایسی جس میں ہر موضوع پر جامع گفتگو کی گئی ہے،آج کل ہمارے ہاں ایک بیماری سی پھیل چکی ہے ہر کوئی لکھ رہا ہے اور بغیر پڑھے لکھ رہا ہے۔لیکن آپ کو یہ کتاب ''اک ذرا سی بات'' پڑھ کر محسوس ہو گا کہ واقعی مصنف نے لکھنے کا حق ادا کیا ہے، کتاب کے تمام مضامین جامع ،پر مغز

اور قابل تعریف ہیں۔اس کتاب کو پڑھ کر آپ کے اندر جہاں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہو گا وہی دوسروں کی خدمت کرنے کی چاہ بھی بڑھے گی،اپنے آپ پر احساس ندامت بھی ہو گی اور ایک نئی امید بھی بیدار ہو گی ہر موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے جو بھی لکھا خوب لکھا ہے معلومات سے بھرپور مضامین ہیں ہر مضمون میں ایک نئی چاشنی ہے۔

ان کی تحریر میں درد بھی اور احساس بھی، نصیحت بھی اور وصیت بھی، طلب بھی اور تڑپ بھی، راہنمائی بھی ہے اور طریقہ کار بھی اسلامیت اور پاکستانیت کے ساتھ انسانیت کا درس بھی جابجا ملے گا۔اسلام سے محبت پاکستان سے پیار اور انسانیت سے ہمدردی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔آپ کتاب پڑھتے جائیں گے اور حیران ہوتے جائیں گے اس کو پڑھ کر جہاں قاری کے اندر عمل کا جذبہ پیدا ہو گا وہی ایک نئی امید بھی جگے گی، نصرت عزیز نے اپنی کتاب میں الفاظ کا چورن بیچا ہے اور نہ ہی قاری کو اعداد شمار کے گورکھ دھندہ سے مرغوب کیا ہے، گھسے پٹے قصے سنائے ہیں اور نہ ہی قاری کو لبھانے کے لیے مشکل الفاظ کا کھیل کھیلا ہے آپ کو سب سے زیادہ حیرانی اس بات پر ہو گی کہ اپنی کتاب کے لیے کسی مشہور و معروف شخصیت سے تاثرات تک نہ لکھوائے بلکہ جنہوں نے بھی کچھ لکھا ہے وہ سرے سے لکھاری ہی نہیں اس بات کو دیکھ کر مجھ پر یہ آشکارہ ہوا کہ لکھنے کی تاثیر کسی بڑے نامی گرامی شخص سے لکھوانے سے نہیں

بلکہ اپنے سچے اور کھرے کردار کی بدولت ملتی ہے اگر آپ جو لکھتے ہیں اور عملی زندگی میں بھی ویسے ہی ہیں تو آپ کے کم لکھے کو بڑی اہمیت ملے گی وگرنہ وقتی طور پر پیسے، سیاسی اور شخصی اثرورسوخ سے آپ کی کتاب تو بک جائے گی لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ لوگوں کے گھروں کے بجائے کباڑیوں کی دکانوں پر پڑے ہوئے ملے گی۔ کئی مضامین نے مجھے گھنٹوں روکے رکھا،ایک واقعہ جو صاحب کتاب کی خدمت کا منہ بولتا ثبوت ہے اس کو پڑھ کر تو میرے دماغ میں سنسنی سی دوڑ گئی اور کافی دیر تک میں اس سے آگے پڑھ ہی نہیں سکا جس میں مصنف بلوچستان کے سیلاب زدگان کے لیے امداد جمع کرنے ایک پسماندہ گاؤں کے سرکاری سکول مین گئے تو وہاں پر غریب بچوں نے جن کے پاس اپنے جیب خرچ کا صرف ایک روپیہ ہی تھا وہ دے دیا تو وہاں پر موجود ایک بچے کے پاس وہ بھی نہیں تھا اس نے دوسرے بچے سے ایک روپیہ ادھار مانگ کر امداد میں اپنا حصہ شامل کیا۔کتاب میں جابجا موتی بکھرے پڑے ہیں ان میں سے صرف ایک موتی قارئین کی نذر اس کو پڑھ کر آپ کو اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا یہی اقتباس ان کی کتاب اور زندگی کا مقصد بھی ہے۔

مسائل بے پناہ ہیں اور ان گنت بھی۔۔۔۔مسائل کو گننے اور گنوانے والے بھی بے'' شمار ہیں اور سننے والے بھی لاتعداد۔۔۔۔شاید کہ یہی وجہ ہے جو مسائل گننے، گنوانے والوں کے چہروں پر مایوسی ،دماغوں پر ناکامی اور دلوں میں

انجانے خوف کا باعث ہے۔۔۔۔مسائل گننا، گنوانا اور سننا آسان بلکہ بہت آسان ہے مگر۔۔۔۔مگر ان مسائل کو گن کر، گنوا کر اور سن کر ان کا حل بتانا یا حل نکالنا مشکل ہے مگر ناممکن نہیں اور یہی چہروں پر رونق، دماغوں پر کامیابی اور دلوں پر نڈری کا باعث ہے۔۔۔۔حالات وواقعات کے تناظر میں مسائل کو گننا، گنوانا اور نمایاں کرنا اور پھر ان مسائل کے بارے میں آگاہی پیدا کرنا اور ان کا حل بتانا یہی میری ''ایک ذرہ سی بات'' ہے۔'' یہ کتاب ہر گھر ہر فرد اور ہر لائیبریری کے لیے انتہائی ضروری ہے۔یہ کتاب 86 مضامین اور 304 صفحات پر مشتمل ہے اور قیمت ہے صرف 300 روپے اس کو جمالیات پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا ہے۔

اپنی طرز کی ایک انوکھی تقریب

میں نے زندگی میں بے شمار علمی، ادبی، سماجی، سرکاری اور غیر سرکاری تقریبات میں کبھی بطور سامع تو کبھی بطور مقرر اور کبھی مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی مگر ''پاکستان رائیٹرز ونگ'' کے زیر اہتمام 24 مئی کو رضا ہال ملتان میں منعقدہ اپنی طرز کی ایک انوکھی تقریب میں شرکت کا موقع ملا جس کی یاد دل کے گلستان کو بہت دیر تک اپنی منفرد خوش بو سے مہکاتی رہے گی۔ یہ کنونشن اور تقریب تقسیم انعامات پاکستان رائیٹرز ونگ کے زیر اہتمام ہونے والے نظم، کہانی اور مضمون نویسی کے مقابلہ جات کے شرکاء کے اعزاز میں منعقد کیا گیا جس میں اس مقابلہ میں حصہ لینے والے قلمکاروں کے ساتھ ساتھ سینئر اور تجربہ کار قلمکاروں نے بھی پاکستان بھر سے شرکت کی۔

اس یادگار تقریب کے روح رواں پاکستان رائیٹر ونگ کے چیئرمین مرزا محمد یسین بیگ جو ایک منجھے ہوئے کالم نگار ہونے کے ساتھ ساتھ شفیق، درد دل رکھنے والے اور ملنسار انسان بھی ہیں، نئے لکھنے والوں سے مسلسل رابطہ میں رہتے ہیں اور قدم قدم پر راہنمائی بھی کرتے ہیں، قاری محمد عبداللہ صاحب جو ایک ابھرتے ہوئے نوجوان قلمکار، کمپئیر، مقرر، خوش الحان قاری، محبت اور ادب کرنے والے اور ہر

فن مولا قسم کے انسان ہیں اور پاکستان رائیٹرز ونگ کے صدر بھی ہیں۔ انہوں نے ملتان آنے کی دعوت دی تو انتہائی مجبوری اور کسمپرسی کے باوجود ان کی حکم عدولی نہ کر سکا، دونوں نے سفر سے پہلے اور سفر کے دوران پل پل رابطہ میں رکھا۔

ہم جب رضا ہال ملتان پہنچے تو سب سے پہلے بھائی مرزا یاسین بیگ صاحب اور قاری محمد عبداللہ میگزین ایڈیٹر روزنامہ اعتماد نیوز نے گرمجوشی سے معانقہ کیا۔ حالانکہ یہ ہماری پہلی ملاقات تھی لیکن ان کی محبت اور گرمجوشی سے یوں لگا جیسے ہم صدیوں سے ایک دوسرے کے شناسا ہوں۔ کچھ مہمان آ چکے تھے باقی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ میں ہال میں اپنے آپ میں گم بیٹھا تھا کہ دور سے کسی نے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا غور کیا تو سدا کا مسکراتا چہرہ حسیب اعجاز عاشر کا تھا ان سے پل بھر کی ملاقات ہوئی کیونکہ ان کے اور بھی چاہنے والے وہاں آئے ہوئے تھے جن کو انہوں نے فیض بخشنا تھا۔ غرض آغاز سے اختتام تک پُرخلوص اور ادب نواز لوگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ گھر پہنچنے تک رابطہ میں رہے، گاڑی ملی یا نہیں؟ سیٹ اور برتھ ملی؟ کہاں پہنچے؟ جب بھی ان کا فون آتا تو میں شرمندہ ہو جاتا کہ میرے لئے اتنے پریشان ہیں اتنے تو گھر والے اور میں خود بھی نہیں۔

کچھ انتظامی مسائل کی بنا پر پروگرام مقررہ وقت سے کافی تاخیر سے شروع ہوا۔ نقابت ونظامت کے فرائض مرزا یاسین بیگ صاحب اور قاری محمد عبداللہ صاحب نے انجام دیئے۔ سٹیج کو کنوینشن اور تقریب تقسیم انعامات کا خوبصورت پینا فلیکس سے سجایا گیا تھا،استقبالیہ پر موجود انتہائی خوش مزاج اور متحرک نوجوان آنے والے کو خوش آمدید کہہ رہے تھے اور ان کی رجسٹریشن کر رہے تھے۔

پروگرام کی ترتیب ایسی رکھی گئی تھی کہ کہیں بھی یہ دل کش تقریب کسی تعطل کا شکار نہیں ہوئی جس پر منتظمین کو داد نہ دینا زیادتی ہو گی۔اس کنوینشن کی ایک اور انوکھی بات یہ تھی کی 120 نئے لکھنے والوں میں زیادہ تعداد خواتین کی تھی۔اس کنوینشن نے یہ اعتراض بھی ختم کر دیا کیا کہ ادبی محفلوں میں خواتین شرکت نہیں کرتیں۔اس پُروقار تقریب نے یہ بھی باور کروایا کہ ادبی تقاریب اگر صرف خانہ پری، قیام و طعام اور فوٹو سیشن تک محدود نہ ہوں اوخواتین کے وقار واحترام کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو خواتین بھی بھرپور شرکت کرتی ہیں۔

یہ پروگرام باقی تمام ادبی اور صحافی تنظیموں کے لیے مشعل راہ بھی ہے، تمام تنظیمیوں اور ان کے منتظمین کو چاہیے کہ اس پروگرام کو مد نظر رکھ کر اپنی پالیسیاں تشکیل دیں، کیونکہ جہاں عورت کو تحفظ مہیا کیا جائے گا تو وہ وہاں

پر بھرپور شرکت بھی کریں گی اور بہتر طور پر اپنی صلاحیتوں کا اظہار بھی کر سکیں گی اس کامیابی پر اس پروگرام کی تمام انتظامیہ خاص طور پر پاکستان رائیٹر ونگ کے چیئرمین مرزا محمد یٰسین بیگ اور صدر قاری محمد عبداللہ مبارک باد کے مستحق اور باقی تنظیموں اور ذمہ داران کے لیے امید کی کرن بھی ہیں۔

محفل میں شرکت کرنے والے معروف قلمکاروں کے نام کچھ یوں ہیں: سرپرست و بانی وفائے پاکستان ادبی فورم حاجی لطیف کھوکھر، محمد شعیب مرزا، حافظ محمد مظفر محسن، عبدالصمد مظفر، سجاد جہانیاں اور ''خودکش بمبار کے تعاقب میں'' کے مصنف سید بدر سعید نمایاں تھے۔ جیسے ہی سامعین میں اکتاہٹ ہونے لگتی تو منتظمین کی طرف سے ان کے جوش کو بڑھانے کے لیے '' ٹیبلو'' یا خاکہ پیش کر دیا جاتا۔ مختلف موضاعات، کشمیر کاز، دہشت گردی کے نقصانات اور پاکستان کے حوالے سے بہت اعلیٰ '' ٹیبلو'' بچوں نے پیش کئے اور سامعین نے بھی کھل کر داد دی۔

تلاوت حافظہ عمارہ احد اور حافظ معاذالرحمٰن نے بڑے خوبصورت انداز میں کی اور اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائے، اتنی کم عمری میں اتنے بڑے مجمع میں اتنے احسن انداز میں تلاوت ان کی ہمت کی منہ بولتی تصویر ہے، نعت کا شرف اسامہ سلطان کو حاصل ہوا ایک چھوٹی بچی ولیعہ زینب نے حمد پیش کی اور ایک دوسری

چھوٹی بچی عروہ اشرف نے انگریزی میں اتنے خوبصورت انداز تقریر کی کہ سامعین عش عش کر اٹھے اور خوب کھل کر داد دی۔

یہ پورے پاکستان کے لکھاریوں کا واحد اور انوکھا پروگرام تھا جس میں جہاں آسمان صحافت کے چمکتے ستارے جو اس وقت اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا کر سینئیر بن چکے ہیں،ان کے زیر سایہ 120 سے زائد نئے لکھنے والے بھی موجود تھے ، میں نے اب تک کی زندگی میں کہیں بھی اتنے لکھنے والے ایک چھت کے نیچے نہیں دیکھے، ویسے تو منجھے ہوئے لکھاری کسی کی تعریف تک کرنا گوارہ نہیں کرتے لیکن اس پروگرام میں جہاں نئے لکھنے والوں کی خوب حوصلہ افزائی کی وہیں پر راہنمائی کے لیے بہترین طریقہ کار اور اپنے تجربات بھی بتائے۔

ہال میں ملتان کی روایتی گرمی اپنے جوہر دکھا رہی تھی، لیکن شرکاء کے حوصلے بھی قابل دید اور قابل داد تھے، پروگرام کے مہمان خصوصی پاکستانی سیاست میں باغی کے نام سے مشہور فخر جمہوریت جاوید ہاشمی تھے، جنہوں نے اپنے خطاب میں جہاں پاکستان کے دفاع کی بات کی وہیں اتنا خوبصورت پروگرام سجانے والوں اور اس میں شریک ہونے والوں کی بھرپور تعریف بھی کی، محترمہ شاہین شفیق صاحبہ ایم این اے نے بھی اس کامیاب کنونشن کے انعقاد پر منتظمین کو مبارک باد دی۔جناب شعیب مرزا،جناب مظفر محسن، جناب اطہر ممتاز، جناب محمد سجاد جہانیہ

اور محترمہ رضیہ رحمٰن صاحبہ نے بھی قاری محمد عبداللہ ، مرزا یاسین بیگ اور ان کی ساری ٹیم کی کوشش وکاوش کو سراہا اور کامیاب اور پر وقار تقریب کے انعقاد پر خراج تحسین پیش کیا اور آئندہ بھی اس قسم کے پروگراموں کے انعقاد پر زور دیا۔

اس کے بعد کہانی، مضمون اور نظم کے مقابلوں میں جیتنے والوں میں ایوارڈز، انعامات اور اعزازی اسناد تقسیم کی گئیں۔

تقریب کے تمام مہمانان خصوصی کو بھی یادگاری ایوارڈز سے نوازا گیا۔ الحمد للہ میں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل تھا جنہیں یادگاری ایوارڈز ملے۔

پروگرام کے آخر میں مرزا محمد یٰسین بیگ، قاری عبداللہ، سید بدر سعید، حسیب اعجاز عاشر، محمد الطاف، سردار اختر چوہدری اور رانا اعجاز دیگر نامور رائیٹرز کے ساتھ تصاویر بھی بنوائیں اور اس یادگار تقریب کی حسین یادیں دل میں بسا کر ہم گھر کو لوٹے۔

شاہد اقبال شامی اٹک

کرپشن کے بانی

کرپشن ایک لعنت ہے اس کی پشت پر ایک مضبوط مافیا سرگرم ہے
یہ ہشت پا کی طرح مختلف بازو رکھتا ہے
ہماری حکومت کرپشن اور رشوت میں پوری دنیا میں مشہور ہے
ممتحن صاحب اپنے ساتھی نگران عملے کو ہاتھ ہلا ہلا کر دلائل سے بتا رہے تھے
کرپشن کی وجہ سے ہمارا معاشرہ تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے
نئی نسل اپنے تمام مسائل کا حل رشوت اور سفارش ہی میں سمجھتی ہے
!وجدان بولا
ابھی جو دو لاکھ روپیہ طلباء کو نقل کرا کر پاس کرانے کے لئے لیا ہے
وہ کیا ہے؟
جواب میں فقط مسکرا دیئے

رانگ نمبر

عامر خان کی فلم پی۔کے، نے ایک دھوم مچادی ہے، کہیں پر خوشیوں کے ڈھول بجائے جا رہے ہیں اور کہیں پر ماتم کی صفیں بچھی پڑی ہیں، عامر خان نے اس فلم میں ہندو مذہب کے لبادے کو نوچ ڈالا ہے، ذات پات کے اس مذہب کو حقیقت کا آئینہ دیکھانے کی کوشش کی ہے، مذاق مذاق میں ایسی باتیں کر دی جس سے ہندوازم کا اصلی چہرہ دیکھا جا سکتا ہے، عامر خان نے فلم پی کے میں ایک پیغام دیا ہے ان لوگوں کو جو اندھی تقلید میں اپنی دنیا اور آخرت تباہ و برباد کر رہے ہیں، اس فلم نے جہاں اک طرف مشہوری اور کاروباری حوالے سے کئی ریکارڈ بنائے ہیں وہی دوسری طرف کئی سوالات بھی کھڑے ہو گئے ہیں، اس فلم کے پیچھے جو بھی مقاصد ہوں وہ اپنی جگہ لیکن جو پیغام دیا گیا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس فلم کے بعد میں سوچنے لگا کہ ہندوستان میں تو ایک پی کے ،نے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے کیا پاکستان میں بھی کوئی پی کے اس طرح کا کام کر سکتا ہے؟ کاش یہاں پر بھی کوئی پی کے اٹھے اور ان لوگوں کو بتائے کہ یہاں پر ہر بھی کئی مذہب کے منیجر "ڈر" کا کاروبار کر رہے ہیں، کئی منیجر "رانگ نمبر" پر کالیں کر رہے ہیں اور اپنا انویسٹمنٹ "دوگنا کر رہے ہیں، کاش کوئی پی کے ان کو بھی بتائے کہ بھائی آپ کے " مذہب کے "منیجر" کس کس طرح ان کو لوٹ

رہے ہیں؟؟؟ ہندوؤں کے بھگوانوں کی قلعی تو کھول دی عامر خان نے پر مسلمانوں کے مذہب کے منیجروں کے بھید کون کھولے گا؟۔

کوئی پاکستانی پی کے آ کر ان کو بھی بتائے کہ آپ کے مذہب کے منیجر بھی ساری "رانگ نمبر" پر کالیں ملا رہے ہیں یہ منیجر اگر آپ کی کالیں "رائٹ نمبر" پر بھیج رہے ہوتے تو یہاں پر ہر کوئی ایک دوسرے کو کافر نہ کہہ رہا ہوتا بلکہ بتا رہا ہوتا کہ ہمارے نبی ﷺ تو لوگوں کو مسلمان بنانے آئے تھے، یہ منیجر دہشت کا کاروبار نہ کر رہے ہوتے بلکہ امن کا درس دے رہے ہوتے کہ ہمارے نبی ﷺ تو امن کا پیغامبر بن کر آیا تھا، وہ پی کے بتاتا کہ جو" منیجر" جنت کی ٹکٹیں بانٹ رہے ہیں ان کے بچے آکسفورڈ، افریقہ اور مدینہ یونیورسٹیوں میں نہ پڑھ رہے ہوتے بلکہ جنت کے ٹکٹ لینے کیلئے پہلی صف میں کھڑے ہوتے، دوسروں کے بچوں کو بارود کے سائے میں چھوڑ کر عورتوں کی طرح خود بھاگ نہ آتے یہ سب" رانگ نمبر" ہے۔

پاکستانی پی کے ان کو بتاتا کہ یہ عرس، میلے اور ختم کے مروجہ طریقے سب" رانگ نمبر" ہیں، اگر رائٹ نمبر ہے تو اس سسکتی بلکتی قوم کو اپنی رقوم دینے کی ضرورت ہے، اپنی زکوۃ، صدقات، نذرونیاز مزاروں پر دینے کی بجائے مجبور و بے کس انسانوں کو دو، منتوں کے چڑھاوے مزاروں پر دینے کے بجائے غریب عوام کو دو، چندوں کے بکس بھرنے کے بجائے ان مجبور اور بے سہارا عورتوں کو دو جو

جہیز نہ ہونے کی وجہ سے بابل کی دہلیز پر اپنے سروں کو چاندی سے سجانے پہ مجبور بیٹھی ہیں یہ منیجر خود تو زردہ پلاؤ کھاتے ہیں اپنے جیب سے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کرتے لیکن اپنے جاہل مریدوں سے حلوے، کھیر، زردہ و پلاؤ کی دیگیں پکواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کروگے تو آپ کے گناہ معاف ہونگے اور جنت میں اعلیٰ مقام پاؤگے، ہر درد بیماری کا علیحدہ علیحدہ منیجر بیٹھا ہوا ہے اور اس کا علیحدہ علیحدہ مزار بنا ہوا ہے کوئی کس بیماری کا علاج کر رہا ہے اور کوئی کس کا، اگر منیجر خود بیمار ہو جائے تو سب سے مہنگے ڈاکٹر سے دوائی لیتا ہے، لیکن اپنے مریدوں کو صرف "چھو" سے ٹھیک ہونے پر ایمان رکھواتا ہے، اپنے بچوں کو انگلش میڈیم سکولوں میں تعلیم دلواتے ہیں، مریدوں کو حکم ہوتا ہے کہ صرف چند لفظ پڑھواؤں اور ہمارے خدمت میں لگا دو تو بیڑا پار لگا دیں گے۔

پاکستانی پی۔کے، یہ بھی بتاتا کہ بھائی 14 سو سال پہلے آپ کے راہنما شہادت کے اعلیٰ منصب پر فیض ہو گئے لیکن تمہارے منیجر آپ کو چند دن ان کی یاد منواتے ہیں اور آپ کی ساری جمع پونجی پر جھاڑو پھیر کر کامیابی کی سند دے کر اگلے سال تک اڑن چھو ہو جاتے ہیں اگر یہ رائٹ نمبر پر کال جارہی ہوتی تو آپ کو بتاتے کہ بھائی وہ آپ کو پٹوانے کیلئے تلوار سے اپنا سر نہیں کٹوا گئے، وہ آپ کو گلیاں اور روڈ بند کروانے کیلئے اپنا کنبہ ذبح نہیں کروا گئے

بلکہ وہ حق سچ کیلئے اسلام کیلئے اور دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کیلئے اپنی ،اپنے کنبے کی جان فدا کر گئے لیکن آپ کے منیجر آپ کو صرف اپنے جسم اور مخالفین کے دل زخمی کرانے کیلئے مختلف قسم کے حربے بتا رہے ہیں پاکستانی پی کے آپ کو بتاتا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ قائم کرو،اپنے مال کو یوں سڑکوں پر نہ بہاؤ بلکہ غرباء کی فکر کرو ان کے کام آؤ،ان کے دکھوں کا مداوہ کرو، جھونپڑوں میں رہنے والوں کو گھر بنا کر دو،بیماروں کیلئے ادویات کا بندوبست کرو یہ سب جو آپ کر رہے ہیں یہ سب "رانگ نمبر" ہے۔

پاکستانی پی کے ان کو بتاتا کہ یہ مزاروں پر چادریں نہ چڑھاؤ بلکہ غرباء میں چادریں بانٹو،ہٹے کٹے "منیجروں" کو اپنے صدقات، خیرات اور صدقات کے پیسے نہ دو بلکہ جو ان کے اہل اور حقدار ہیں ان کو ان کا حق پہنچاؤ،ہر جگہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد نہ بناؤ بلکہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑوں ،سیرت کے نام پر لاکھوں روپیہ خوش الحان خطیبوں اور گانے کی طرز پر نعتیں پڑھنے والوں پر خرچ نہ کرو بلکہ نبی کی حقیقی سیرت کو اپناؤ آپ کا نبی تو خود بھوکا رہتا تھا اور بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا،مار کھا کر بھی دشمن کو دعائیں دیتا تھا لیکن آج اس کے منیجر اپنے مخالفین کو اپنی مسجدوں میں داخل نہیں ہونے دیتے مخالفین کو ہاتھ ملانا گناہ سمجھتے ہیں ،اپنی مسجد سے دھکے دے کر باہر نکالتے ہیں،دن رات لاؤڈ سپیکر لگا کر اپنوں ،بیگانوں کا جینا دوبھر کرتے ہیں

پاکستانی پی کے ان کو بتاتا کہ نبی کی حقیقی سیرت کو اپناؤ، توڑو نہیں جوڑو، صرف باتوں نعروں اور تقریروں سے "رانگ نمبر" نہ ملاؤ۔

آج مسلم معاشرے خاص کر پاکستانی معاشرے کو ایک پی کے، کی ضرورت ہے جو ان کو حقیقت کا آئینہ دکھلائے ان کو حقیقی اسلام کا چہرہ دکھائے، سچے کھرے اور حقیقی مسلمانوں کی خصوصیات بتائے ان پر عمل پیرا ہونے کی تحریک دے، مذہب کے علاوہ یہاں پر ہماری سیاست، تجارت اور خاص کر میڈیا کو بھی ایک پی کے کی ضرورت ہے جو اپنی 90 فیصد کالیں "رانگ نمبر" پر ملا رہا ہے۔

دھرنا سسٹم

پاکستان کی موجودہ صورتحال ناگفتہ بہ ہے ہر کوئی اپنے مفاد کیلئے کوشاں ہیں ،اپنے مفاد حاصل کرنے کے لیئے ہر حد پھلانگنے کے لیئے تیار ہے عوام کی خدمت کی دعوے دار جماعتیں بھی یہ روش اپنا چکی ہیں ، اپنے جائز وناجائز مطالبات منوانے کے لیئے مختلف قسم کے حربے استعمال کر رہی ہیں،آج پاکستان میں ایک '' دھرنا سسٹم '' رواج پا چکا ہے جس کسی کو بھی اپنی بات منوانی ہوتی ہے وہ اپنے چند کارکنوں کو لے کر سڑکوں پر آ کر عوامی راستے بند کر دیتے ہیں ان دھرنوں کی وجہ سے لوگوں کو جو تکالیف ہوتی ہیں اس کا اندازہ ایئر کنڈیشن کمروں میں TV کے سامنے بیٹھ کر نہیں کیاجاسکتا اس "دھرنا سسٹم" کو دیکھتے ہوئے مجھے چند سال پرانا ایک واقعہ یاد آگیاسوچا اپنے قارئین کو بھی بیتے ہوئے لمحات میں شامل کرتاچلوں، یہ 2010ء کی بات ہے جب ایک "طلبہ کنونشن" [illegible] شامل [illegible] ٨ [illegible] آبادکا سفر کیا تھا، ہم شکردرہ سے جب اٹک سٹی لاری اڈہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج ڈرائیوروں نے اس بات پر ہڑتال کی ہوئی ہے کہ جب تک کامرہ روڈ کو گاڑیوں کیلئے نہیں کھولا جاتا تب تک کے لیئے ہم گاڑیاں چلائیں گے اور نہ ہی اس روڈ سے ہٹیں گے تمام دوستوں نے مشورہ سے طے کیا کہ چلو حسن ابدال تک ریل میں سفر کرتے ہیں جب ریلوے اسٹیشن

پہنچے تو معلوم ہوا کہ ریل آج حسب معمول لیٹ ہے، خدا خدا کر کے ریل اسٹیشن پر آئی تو ٹکٹ لینے گئے تو "خوش خبری" ملی کہ یہ ریل حسن ابدال نہیں رکے گی بلکہ سیدھا راولپنڈی جا کر دم لے گی۔

جون کی چلبلاتی دھوپ اور ہم طلباء کے ہمراہ ویران سڑک پر بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے؟ مشورہ سے طے ہوا کہ کسی گاڑی والے سے بات کی جائے کہ ہمیں ایبٹ آباد تک چھوڑ آئے بڑی مشکل سے ایک ڈرائیور راضی ہوا اور اڈے سے باہر اس کو گاڑی لانے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔

خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے گاڑی میں سوار ہوئے ابھی 200 گز کا فاصلہ طے ہوا ہی تھا آگے روڈ پھر بند تھا، وجہ معلوم ہوئی کہ نرسوں نے اپنے حقوق کیلئے روڈ بند کیا ہوا ہے

۔

ڈرائیور نے سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گاڑی کو تنگ گلیوں سے گزارتے ہوئے پھر جی ٹی روڈ پر رواں دواں کر دیا، حسن ابدال تک کا سفر خیریت سے گزرا لیکن جو ہی سرحد (موجودہ خیبر پختونخواہ) کی سرزمین کو چھوا پھر پہلے والا معاملہ ! سوچنے لگے کہ یہ راستہ کامرہ کی طرف جاتا ہے اور نہ ہی ان کے " حقوق "شہباز شریف نے دبا رکھے ہیں، پھر یہ کیوں آتش جولا بنے ہوئے ہیں اور راستوں کو ٹائر جلا کر بند کیا ہوا ہے۔

پریشانی کی حالت میں گاڑی سے باہر قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ بابا حیدر زمان نے ہزارہ صوبہ بنوانے کیلئے صبح 6 سے شام 6 تک ہزارہ میں داخل ہونے والے تمام راستوں کو بند کرایا ہوا ہے تمام طلبہ گاڑی سے اتر کر درختوں کے سائے میں بیٹھ گئے اور خربوہ تناول فرمانے لگے اور گاڑی کے ذمہ داران با حفاظت سفر کرنے کیلئے رابطہ کرنے لگے، ایک ذرائع سے معلوم ہوا کہ حطار کی طرف سے راستہ کھلا ہوا ہے، راستہ بھولتے، پوچھتے حطار کی طرف جونہی ہری پور میں داخل ہوئے تو آگے پھر دھرنا پارٹی کے 6 افراد نے ایک ٹائر جلا کر راستہ بند کیا ہے، یہاں پہنچ کر ایک تلخ تجربہ بھی ہوا کہ دھرنا اور ٹائر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

بہرحال جمعہ کی نماز کا بھی وقت قریب آ لگا تھا، دوستوں کے رابطے ایک بار پھر کام کر گئے اور اطلاع ملی کہ نماز جمعہ تک فلاں روڈ کھلا ہے ڈرائیور نے پھرتی دکھائی اور گاڑی کو اس طرف دوڑا دیا، لیکن ایبٹ آباد سے چند کلومیٹر پہلے پھر "دھت تیرے کی" والا معاملہ، ڈرائیور کی بھی ہمت جواب دے گئی اور وہ بھی منتیں کرنے لگا کہ میں نے ایک نکاح کیلئے بکنگ لی ہوئی ہے، مجھے جانے دو ! بالآخر "دھرنا سسٹم" کو سلامت کرتے ہوئے ہم نے ڈرائیور کو ایسے رخصت کیا جیسے وہ ہمیں سرحد پر چھوڑ کر جا رہا ہو، چھوڑ کے تو وہ ہمیں سرحد ہی پر جا

رہا تھا، لیکن یہ لوگ سرحد کو ہزارہ بنانا چاہتے تھے اور کچھ لوگ "خیبر پختونخواہ" بنوا چکے تھے، 10 گز کے دھرنے سے آگے ایک گاڑی کھڑی ہوئی نظر آئی تو دوستوں نے اس گاڑی والے سے بات کی، ڈرائیور نے اس شرط پر بات مانی کہ جہاں تک راستہ صاف ہو گا وہاں تک چلوگا" مرتا کیا نہ کرتا" کے مصداق عازم سفر ہوئے، 3 کلومیٹر کے بعد چند پتھروں نے دھرنا دیا ہوا تھا اور ہمارا راستہ ایسے کاٹ دیا تھا جیسے سانپ گزر جاتا ہے اور لکیر چھوڑ جاتا ہے، ڈرائیور بھی ڈسا ہوا لگتا تھا اس لئے اس نے آگے جانے سے انکار دیا" گلے پڑے ڈھول" کی طرح آگے کا سفر پیدل ہی طے کرنا پڑا، منزل مقصود تک پہنچے سے پہلے اس جگہ سے بھی گزر ہوا جس مقصد کیلئے ان لوگوں نے اپنے علاوہ تمام لوگوں کو جو کھم میں ڈالا تھا۔

شہداء چوک پر چند سو لوگ اکٹھے ہیں اوراور وشور سے نعرہ بازی چل رہی ہے کہ " ہمارا ایک ہی نعرہ، صوبہ ہزارہ" قائد تحریک خود بھی اس نعرے کا مکا لہرا جواب دے رہے ہیں کہ "دیکھو دیکھو کون آیا۔ بابا آیا بابا آیا" جب ہم چند سو نفوس کے اس "دھرنا پارٹی" سے جدا ہوئے تو تمام طلبہ یک زبان ہو کر بڑے جوش خروش سے ایک ہی نعرہ لگانے لگے "ہمارا ایک ہی نعرہ۔ آنا نہیں یہاں دوبارہ" آج اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی جب کہیں دھرنا دیکھتا ہو تو یہ یادیں تازہ ہو جاتی ہیں اور وہ مناظر آنکھوں میں گھوم جاتے ہیں، خدارا اپنے آپ کو بدلو اس

دھرنا سسٹم کو چھوڑو کوئی متبادل حل تلاش کرو عام آدمی کو اذیت میں ڈال کر کون سے مطالبات منوائے جا سکتے ہیں؟؟؟،ان دھرنوں نے ملک کو دیا ہی کیا ہے؟ان کی وجہ سے ملکی معیشت کا بھٹہ بیٹھ چکا ہے، لوگ ذہنی مریض بنتے جا رہے ہیں، کئے مسائل جنم لے رہے ہیں، کئی مریض راستے میں دم توڑ جاتے ہیں،اپنے آپ پر رحم کریں اپنے لوگوں پر رحم کریں،حکومت کو بھی چاہیئے کہ وہ لوگوں کو بنیادی سہولیات فراہم کرے اور ایسی پالیسیاں مرتب کریں کہ دھرنے دینے کی نوبت ہی نہ آئے۔

پڑھے لکھے جاہل

اسلام میں ذات.برادری چھوٹا بڑا کوئی نہیں

اہمیت صرف اہل تقوی کو حاصل ہے

یاسر صاحب.بڑے ہی مشفقانہ انداز میں بچوں کو بتا رہے تھے

یہ کمی کمین یہ.برہمن شودر صرف ہندوؤں میں پائے جاتے ہیں

اسلام بھائی چارے کا درس دیتا ہے

غریب اور امیر میں مساوات کا قائل ہے

کالے اور گورے کا امتیاز ختم کر دیا ہے

یہ عہدے اور شان و شوکت کو ئی اہمیت نہیں رکھتے

بچے نے پانی پیش کیا تو غصے سے دہاڑے

نظر نہیں آتا عقل کام نہیں ہے

دفتر سے دوسرا گلاس لاؤ اس سے تو چپڑاسی پانی پیتے ہیں

جمہوریت

میں نے اپنے حلقہ میں ریکارڈ ترقیاتی کام کرائے ہیں
پچھلے انتخابات میں ہمارا اختلاف نظریاتی تھا
اب عوام کے مفاد کے لئے اتحاد ضروری ہے
!ملک صاحب نے اپنے اور سابقہ مخالفین ورکروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا
پچھلے الیکشن میں آپ کی خدمت کے لئے
این اے 57 سے میں نے خود 58 سے بیٹی اور 59 پر بیٹے نے انتخاب لڑا تھا
اب ضلع ناظم کی امیدوار میری بیٹی ہے
یہی جمہوریت ہے اور یہ اس کا حسن ہے
بدترین جمہوریت بہترین آمریت سے بہتر ہے
جمہوریت ہی بہترین انتقام ہے
!وجدان بڑبڑایا
جی بالکل عوام سے

سیدھے سادے مسلمان

مما ! یہ دائیں والی مسجد کی اذان بائیں والی مسجد سے مختلف کیوں ہے؟

اور سامنے والے کی تو سب سے جدا ہے

بیٹا یہ مولویوں کے بکھیڑے ہیں

تم جلدی سے ناشتہ کرو اور سکول کی تیاری کرو

! عاطف سکول سے واپس آتے ہی بولا

مما بتاؤ نا ہم کون ہیں؟

ہمارا کس مسلک سے تعلق ہے؟

بیٹا یہ باتیں تمہاری سمجھ سے باہر ہیں

مما مجھ سے سکول میں دوست پوچھتے ہیں

تم کس مسجد میں نماز پڑھتے ہو؟

تم کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہو؟

بیٹا ! ہم سیدھے سادے مسلمان ہیں

ماں نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا

بارش کا مسلک

!مسجد کے سپیکر سے آواز گونجی حضرات ایک ضروری اعلان سنیں
کل صبح 8 بجے گاؤں کے مشرقی جانب بارش کے لئے نوافل ادا کئے جائیں گے
تمام حضرات چھوٹے بچوں اور جانوروں کے ہمراہ شرکت فرمائیں
چند لوگوں نے بچوں اور جانوروں کے بناء شرکت کی جلدی جلدی نوافل ادا کئے
اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے
اگلے دن دوسرے مسلک کے لوگوں نے گاؤں کے مغرب کی طرف نوافل ادا کئے
مولوی صاحب نے بارش کے لئے رقت آمیز دعا کرائی
اور گناہوں پر توبہ پر زور دیا
بارش آئی بلا مسلکی امتیاز کے دونوں جانب خوب برسی

اپنا اپنا چورن

شکر الحمد للہ ! آج ایک اہم فرض سے سبکدوش ہو گیا
آج میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا
بیٹی کو قرآن کے سائے میں رخصت کیا
تمام مہمانوں کو سنت کے مطابق بیٹھ کر کھانا کھلایا ہے
حاجی صاحب بڑے فخر سے سب نمازیوں کو بتا رہے تھے
وجدان نے سر کو اٹھایا اور بذبان تصور بولا
یہ جو رات بھر وقفے وقفے سے گونجتا رہا
اور پورا محلّہ بھی ساتھ گنگناتا رہا
مہندی کی ہے رات آئی مہندی کی یہ رات
مہندی لگا کے رکھنا ڈولی سجا کے رکھنا
لینے تجھے گوری آئیں گے تیرے سجنا
مہندی تاں سجدی جے نچے منڈے دی ماں

..... کچھ علاج اس کا بھی

وطن صرف میدانوں، پہاڑوں، دریاؤں اور صحراؤں کا مجموعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان کے اس مسکن کا نام ہے جہاں آزادی کی ہوائیں چلتی ہیں، جہاں عدل و انصاف کے چشمے ابلتے ہیں اور جہاں انسانیت ظالموں اور مظلوموں کے گروہوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ ہمارا پیارا وطن پاکستان قدرت کی ہر ایک نعمت سے مالامال ہے، کسی بھی ملک میں اتنی وافر معدنیات نہیں جتنی ہمارے ملک میں ہیں، ہمارے پاس بہترین دریا، اونچے پہاڑ، سرسبز میدان اور خوبصورت صحرا ہیں، لیکن ان سب کے باوجود ہمارے ملک میں انسانیت ظالم اور مظلوم دو طبقوں میں تقسیم ہے، عدل و انصاف کے ادارے تو موجود ہیں لیکن وہاں عدل و انصاف کے معیار مختلف ہیں، ظالم کو مظلوم کا حق دے دیا جاتا ہے اور مظلوم کو اس کے حق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ ہمارے عدل و انصاف کے ادارے اپنا فرض قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ادا نہیں کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ "تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کے میں دوسروں سے اس کا حق اس کو دلا نہ دوں اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل نہ کر لوں"۔ لیکن ہمارے پیارے وطن کا عدالتی نظام بھی عجیب ہے جو

قوت والے کو مظلوم اور ضعیف کو ظالم بنا دیتا ہے، جس کے پاس طاقت اور اختیار ہیں اس کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے اور جس کے پاس حق پر ہونے کے باوجود غلط ذرائع نہیں ہیں وہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

ہمارے ملک میں اس وقت تک عدالتی اصلاحات پر کروڑوں روپے خرچ کئے جا چکے ہیں، ججوں کی تنخواؤں میں کئی گنا اضافہ کیا جا چکا ہے اور ججوں کو یہ اختیار تک بھی حاصل ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی تنخواؤں میں خود بھی اضافہ کر سکتے ہیں، کسی بھی سرکاری محکمے کے ملازمین کی اتنی بڑی تنخوائیں نہیں ہیں جتنی کی عدلیہ والوں کی ہیں، عدالت کا اپنے بارے میں اتنا سخت قانون ہے کہ اگر کسی بھی شخص کے موبائل کی گھنٹی کمرہ عدالت میں بج جائے تو جج اس شخص کو توہین عدالت کی دفعہ لگا کر جیل بھی بھیج سکتا ہے، اتنے اختیار ہونے کے باوجود ججز حضرات انصاف دینے کیلئے اپنے اختیارات کو صحیح استعمال نہیں کرتے جس کی وجہ سے ہمارے ہاں انصاف ناپید ہے اور ہر شخص عدالتی نظام سے خائف ہے۔

ہمارے ہاں عدالتی نظام میں انصاف کے راستے پر سب سے بڑی رکاوٹ عدلیہ خود ہے، یہ بات سو فیصد درست ہے کہ پاکستان کے تمام ادارے کرپٹ ہیں لیکن سب سے کرپٹ ترین ادارہ عدالتیں ہیں، لیکن یہ بات کہہ کوئی نہیں سکتا، اگر کوئی سر پھرا کہہ دے تو عدلیہ کا قانون حرکت میں آتا ہے اور اس شخص کو اپنی لپیٹ میں

لے کر نا معلوم دنوں کیلئے نا معلوم مقامات پر پہنچا دیتا ہے، اگر کوئی غور کرے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ عام سے عام سول جج کی طرز معاشرت ایسی ہے جس کی پاکستان کے بڑے سے بڑے کاروباری لوگ ویسی طرز معاشرت اپنانے کی تو دور کی بات اس کا تصور تک نہیں کر سکتے، ان کے بچے ملک کے مہنگے ترین سکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں جن کی فیسیں کوئی بھی عدلیہ کا ملازم اپنی حق حلال کی تنخواہ سے ادا نہیں کر سکتا، ان کی بیویاں مہنگے ترین زیورات پہنتی ہے، مہنگی ترین گاڑیاں ان کے پاس موجود ہیں، عرب کے شہزادوں جیسے گھر ہیں ان کے پاس کبھی کسی نے سوچا یا ان سے پوچھا کہ جناب والا! یہ سب کہاں سے آتا ہے؟؟؟

یہ بات پتھر پر لکیر ہے کہ !جب تک پاکستان کا عدالتی نظام قانون کے دائرے میں نہیں آتا، جب تک ججوں کا احتساب نہیں ہوتا، اس وقت تک یہ ملک یہ نظام ٹھیک نہیں ہو سکتا، اس ملک میں مظلوم کو اس کا حق نہیں مل سکتا، ظالم کو گرفت میں نہیں لایا جا سکتا، انصاف کی فراوانی نہیں ہو سکتی ! ! ! اور عدالتی نظام صرف " سو موٹو ایکشن " لینے سے صحیح نہیں ہو سکتا، " سو موٹو ایکشن " لینے سے آج تک حل ہی کیا ہوا ہے؟ کیا سٹیل مل، پی آئی اے، ریلوے، حبیب بینک سکینڈل، پنجاب بینک سکینڈل، این آر او، مہران کیس، میمو کیس، ایل پی جی، این ایل سی، رینٹل پاور جج سکینڈل، کراچی ٹارگٹ کلنگ کیس، بابر، گیلانی اور شہباز شریف کسی ایک بھی کیس

کا فیصلہ ہوا؟؟؟ یہ فیصلے ہوں گے بھی نہیں ! کیونکہ جب تک ہمارا عدالتی نظام نہ بدلے گا
اس وقت تک ملک میں ایسے ہی واقعات اور ایسے ہی "سوموٹو ایکشن" ہوتے رہیں گے۔